

# اللہ والوں کی مقبولیت کا راز

جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی صفات عالیہ  
کی روشنی میں اپنے کردار کا جائزہ

(مفتی) محمد سلمان منصور پوری

مفتی و استاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

ناشر:

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

○ اشاعت کی عام اجازت ہے۔

- نام کتاب : اللہ والوں کی مقبولیت کا راز
- ترتیب : محمد سلمان منصور پوری
- کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد مظفر نگری
- باہتمام : مرکز نشر و تحقیق لال باغ مراد آباد
- ناشر : کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
- اشاعت اول : ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ مارچ ۱۹۹۷ء
- جدید اضافہ شدہ ایڈیشن : ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ دسمبر ۲۰۰۴
- صفحات : ۱۹۲
- قیمت : ۵۰ روپے

**تقسیم کنندگان:**

- فرید بک ڈپو، پرائیویٹ لمیٹڈ، دریا گنج دہلی
- کتب خانہ تکیوی محلہ مفتی سہارن پور
- مدرسہ صالحین ریتی باؤلی حیدر آباد
- مدنی کتب خانہ جاج موکان پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## تہدیہ:

اللّٰهُمَّ

کے مقبول بندوں

کی خدمت میں!



أَحِبُّ الصَّالِحِينَ وَكَسْتُ مِنْهُمْ  
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صَاحِبًا  
مجھے نیک لوگوں سے محبت ہے، گو کہ میں ان  
میں شامل نہیں ہوں۔

امید ہے کہ (انہی سے تعلق کی برکت سے)  
اللہ رب العزت مجھے بھی نیکی سے سرفراز  
فرمادیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

وما ذلك على الله بعزيز.

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

## تاسید و دعاء:

اس مضمون کا ابتدائی حصہ احقر نے مخدوم گرامی قدر عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں برائے ملاحظہ و اصلاح پیش کیا تھا۔

حضرت والا نے انتہائی مصروفیات کے باوجود اس پر نظر فرمائی اور درج ذیل مکتوب سے مشرف فرمایا، فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

عزیزم مفتی سلمان سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے مضامین کا مطالعہ کیا، میرا ارادہ تھا کہ اس قسم کے مضامین مرتب کر کے شائع کئے جائیں، کچھ کام بھی ہوا تھا مگر فرصت نہ ملنے کی وجہ سے کام آگے نہ بڑھ سکا۔

اللہ پاک آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کے اندر ما شاء اللہ صلاحیت ہے مضامین بہت مفید ہیں ان میں اضافہ کر کے جلد ہی شائع کرائیے، اللہ پاک اس کا بہتر اجر عطا فرمائے۔

فقط والسلام

صدیق احمد غفرلہ

خادم جامعہ عربیہ ہتور اباندہ

۱۵/رجب ۱۴۱۷ھ

## فہرست عنوانات

- تہدیہ: ----- ۵
- تائید و دعا: عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ ----- ۶
- عرض مرتب (جدید ایڈیشن) ----- ۱۹
- عرض مرتب (قدیم ایڈیشن) ----- ۲۱
- چند تاثرات ----- ۲۲



- حسن نیت ----- ۲۸
- رسوخ فی العلم کی نشانیاں ----- ۲۹
- یہ ہے قبولیت! ----- ۳۰
- مقبولیت کی تمنا ----- ۳۱



- تواضع و انکساری ----- ۳۲
- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ----- ۳۳
- سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کی تواضع ----- ۳۴
- سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ کی تواضع ----- ۳۴
- سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کی تواضع ----- ۳۵

- سیدنا حضرت علیؑ کی تواضع ..... ۳۶
- سیدنا حضرت سلمان فارسیؑ کا عمل ..... ۳۶
- حضرت عبداللہ بن سلامؑ کا واقعہ ..... ۳۶
- سیدنا حضرت زین العابدینؑ کی تواضع ..... ۳۶
- سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؑ کا مہمان کے ساتھ برتاؤ ..... ۳۷
- امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تواضع ..... ۳۷
- حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کا جذبہ تواضع ..... ۳۸
- حضرت معاذ بن جبلؑ کا ارشاد ..... ۳۹
- عالم کامل کی پہچان ..... ۳۹
- ہمارا حال ..... ۴۰
- حضرت مدنیؒ کا عمل ..... ۴۱
- وعظ کی مجالس کیوں مؤثر نہیں؟ ..... ۴۱
- عالم کے لئے فتنہ ..... ۴۲
- حضرت شیخ الہندؒ کا عبرت انگیز واقعہ ..... ۴۲
- مجمع کی کثرت اصل نہیں ..... ۴۳
- مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا واقعہ ..... ۴۴
- حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا معمول ..... ۴۴
- مقبول کون؟ ..... ۴۴
- امام ربانی حضرت گنگوہیؒ کے وعظ کا حال ..... ۴۵
- از دل خیزد، بردل ریزد ..... ۴۷
- سچی مقبولیت کی پہچان ..... ۴۷

- حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بعض ارشادات ----- ۴۸
- حضرت مدنیؒ کا منہ پر تعریف کرنے پر تکبر کرنا ----- ۵۰
- فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی بے نفسی ----- ۵۰
- تصنیفات کے بارے میں اکابر کا طرز عمل ----- ۵۱
- نقد خوش خبری ----- ۵۳
- تہمت کی جگہ سے بچیں ----- ۵۳
- ملی تنظیمیں مقبول کیوں نہیں؟ ----- ۵۴
- پیغمبر علیہ السلام کا اہم اعلان ----- ۵۵
- بین الجماعتی حسد روانہ نہیں ----- ۵۶
- اپنا امتیاز نہ چاہیں! ----- ۵۷
- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نفسی ----- ۵۷
- حضرت سفیان ثوریؒ کا عمل ----- ۵۸
- ہمارا طرز عمل ----- ۵۸
- ہٹ دھرمی تکبر کی علامت ہے ----- ۵۹
- مرض کا احساس کریں ----- ۵۹

## ۲

- دوسرے کی عزت نفس کا خیال ----- ۶۱
- سب سے زیادہ پسندیدہ لوگ ----- ۶۱
- کسی کی دل شکنی نہ کریں ----- ۶۲
- حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا امام مالکؒ کے ساتھ معاملہ ----- ۶۲
- اپنے گریبان میں جھانکیں ----- ۶۳

○ ماتحتوں کے ساتھ برتاؤ کیسا ہو؟ ----- ۶۳

### ۳

○ غفور و درگزر ----- ۶۵

○ سیدنا حضرت زین العابدینؑ کا حیرت انگیز واقعہ ----- ۶۵

○ نرمی ہی میں خیر ہے ----- ۶۷

### ۴

○ حلم و بردباری ----- ۶۹

○ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مقام ----- ۷۰

○ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا بے مثال تخلص ----- ۷۱

○ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا حلم ----- ۷۲

○ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی بردباری ----- ۷۲

### ۵

○ زہد و استغناء ----- ۷۴

○ نبی اکرم ﷺ کا زہد ----- ۷۵

○ کامیاب مسلمان ----- ۷۶

○ نبی اکرم ﷺ کی تین اہم وصیتیں ----- ۷۷

○ سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کی زاہدانہ زندگی ----- ۷۸

○ سیدنا حضرت عمر بن الخطابؓ کا زہد ----- ۷۸



- حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حالت ----- ۷۹
- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا حال ----- ۸۰
- علم کا ضیاع کیسے؟ ----- ۸۱
- استغناء میں عافیت ہے ----- ۸۱
- حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کا بے مثال استغناء ----- ۸۲
- حضرت گنگوہیؒ کا زہد و استغناء ----- ۸۳
- حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا عبرت انگیز واقعہ ----- ۸۳
- شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا قابل تقلید معمول ----- ۸۵
- شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ کا معمول ----- ۸۵
- حضرت شاہ عطاء اللہ بخاریؒ کا طرز عمل ----- ۸۶
- حضرت شیخ الحدیثؒ کا استغناء ----- ۸۷
- حضرت فقیہ الامتؒ کا مثالی زہد ----- ۸۷
- حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب کا واقعہ ----- ۸۷
- عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کا مثالی زہد ----- ۸۸
- حضرت مولانا علی میاںؒ کا زہد ----- ۸۸
- حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ کا ایک قیمتی ملفوظ ----- ۹۰
- مال و دولت کی عزت عارضی ہے ----- ۹۰



- سخاوت اور مہمان نوازی ----- ۹۲
- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت ----- ۹۳

- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سخاوت ----- ۹۴
- سیدنا حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی جود و عطا ----- ۹۴
- امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے واقعات ----- ۹۵
- حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کے چند واقعات ----- ۹۷
- حضرت نانوتومی رضی اللہ عنہ کی سخاوت ----- ۹۸
- حضرت شیخ الہند رضی اللہ عنہ کی مہمان نوازی ----- ۹۹
- حضرت شیخ الاسلام رضی اللہ عنہ کی سخاوت ----- ۹۹
- حضرت رائے پوری رضی اللہ عنہ کے دسترخوان کی وسعت ----- ۱۰۰
- حضرت شیخ الحدیث رضی اللہ عنہ کی فیاضی ----- ۱۰۱
- حضرت فقیہ الامت رضی اللہ عنہ کی سخاوت ----- ۱۰۲
- ایک آسان طریقہ ----- ۱۰۲



- ورع و تقویٰ ----- ۱۰۴
- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط ----- ۱۰۵
- حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ارشاد ----- ۱۰۵
- حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ----- ۱۰۵
- سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ----- ۱۰۶
- سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا ورع و تقویٰ ----- ۱۰۶
- امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ورع و تقویٰ ----- ۱۰۷
- امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا عبرت انگیز واقعہ ----- ۱۰۸

- حضرت عبداللہ بن المبارکؓ کا ورع و تقویٰ ..... ۱۰۸
- میانجی نور محمدؒ کا تقویٰ ..... ۱۰۹
- حضرت مولانا مظفر حسینؒ کا دہلویؒ کا ورع و تقویٰ ..... ۱۰۹
- حضرت نانوتویؒ کی کمال احتیاط ..... ۱۰۹
- حضرت گنگوہیؒ کا تقویٰ ..... ۱۱۰
- حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا واقعہ ..... ۱۱۰
- شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ ..... ۱۱۱
- مدرسہ کے مال میں احتیاط ..... ۱۱۲
- آئیے محاسبہ کریں! ..... ۱۱۵
- حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ کا معمول ..... ۱۱۵



- خوف و خشیت ..... ۱۱۶
- اللہ کے خوف سے رونا ..... ۱۱۷
- پیغمبر علیہ السلام کی خشیت ..... ۱۱۸
- سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رقت قلبی ..... ۱۱۹
- سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ کا جذبہ خوف و خشیت ..... ۱۱۹
- سیدنا حضرت ابن مسعودؓ کی تضرع و زاری ..... ۱۲۰
- سیدنا حضرت زین العابدینؒ کی خشیت ..... ۱۲۰
- حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خشیت کا عالم ..... ۱۲۰
- حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے چند واقعات ..... ۱۲۱

- مؤمن اللہ کی یاد میں نہ روئے تو کیا کرے؟ ----- ۱۲۲
- رونا کیسے آئے؟ ----- ۱۲۳
- رونے کا انخفاء ----- ۱۲۳
- قابل رشک بے قراری ----- ۱۲۳
- حضرت گنگوہیؒ کا مبارک حال ----- ۱۲۴
- شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کا الحاج وزاری ----- ۱۲۵
- حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک نہایت قیمتی ملفوظ ----- ۱۲۶
- ایک اہم ترین مسنون دعا ----- ۱۲۷

## ۹

- علماء کرام کیلئے کچھ کارآمد باتیں ----- ۱۲۸
- علم کا خلاصہ ----- ۱۲۸
- علم کیسے حاصل ہوگا؟ ----- ۱۲۹
- صبر، زہد اور تواضع کی حقیقت ----- ۱۲۹
- تین نصیحتیں ----- ۱۳۰
- علم کے ساتھ حلم کی اہمیت ----- ۱۳۰
- عالم کامل کی تین پہچان ----- ۱۳۰
- منصف مزاجی ----- ۱۳۱
- جھک بازی سے پرہیز ----- ۱۳۱
- ۴ کاموں سے ناگواری نہیں ہونی چاہئے ----- ۱۳۲
- حضرت ابوالدرداءؓ کا حکیمانہ ارشاد ----- ۱۳۲

- جاہل کی تین علامتیں ----- ۱۳۲
- حب جاہ کی نحوست ----- ۱۳۲
- قابل تکرمیم حضرات ----- ۱۳۳
- علم کی زندگی سوال و جواب میں ہے ----- ۱۳۳
- دو طبقوں پر اصلاح کا مدار ----- ۱۳۴
- عالمانہ وقار کی اہمیت ----- ۱۳۴
- خفیہ شہوت کیا ہے؟ ----- ۱۳۵
- گناہ! موجب نسیان ----- ۱۳۵
- دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟ ----- ۱۳۵
- سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی علماء کو نصیحت ----- ۱۳۶
- عمل کے بغیر وعظ مؤثر نہیں ----- ۱۳۶
- از دل خیزد، بردل ریزد ----- ۱۳۶
- عالم کے لئے عمل لازم ہے ----- ۱۳۷
- دنیا دار عالم سے امت کو نفع نہیں ہوتا ----- ۱۳۷
- حلال روزی کی فکر ----- ۱۳۷
- ابن عونؒ کی پسندیدہ باتیں ----- ۱۳۷
- عارف باللہ شخص کی طرف دل کھنچے چلے جاتے ہیں ----- ۱۳۷
- فتویٰ میں جلد بازی کم علمی کی دلیل ہے ----- ۱۳۸
- عیب سے کوئی شخص مبرا نہیں ----- ۱۳۸
- امام ابو یوسفؒ کے تجربہ کی تین باتیں ----- ۱۳۸
- ہر مسئلہ کا جواب دینے میں نہ پڑیں ----- ۱۳۹

○ مسلسل مطالعہ سے حافظہ تیز ہوتا ہے ----- ۱۳۹

## ۱۰

- حضرات اہل علم کے لئے کچھ گرانقدر نصیحتیں ----- ۱۴۰
- حضرت حکیم الامتؒ کا ایک گراں قدر ملفوظ ----- ۱۴۴
- علماء کے کرنے کے چار کام ----- ۱۴۵
- وقار علم ----- ۱۴۶
- علماء اور اساتذہ کیلئے حضرت فقیہ الامتؒ کی ۱۴ قیمتی وصیتیں ----- ۱۴۷

## ○

○ خاتمہ ----- ۱۴۹

## ضمیمہ

- مختصر تذکرہ مقبول بارگاہ: عارف باللہ حضرت اقدس  
مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ ----- ۱۵۱
- ایسا کہاں سے لائیں ----- ۱۵۲
- علم سے بے انتہاء شغف ----- ۱۵۴
- سادگی اور تواضع ----- ۱۵۶
- کمال زہد ----- ۱۵۸
- عشق نبوی ----- ۱۵۸



- حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی کی چند عبرت آموز جھلکیاں ----- ۱۶۱
- پر مشقت طالب علمی ----- ۱۶۱
- اصلاح امت کی دھن ----- ۱۶۲
- مدرسہ کی تعمیر میں شرکت ----- ۱۶۴
- بے مثال تواضع ----- ۱۶۴
- اپنے لئے احتیاط ہی پسند تھی ----- ۱۶۵
- مہمانوں کا اکرام ----- ۱۶۷
- دوسرے کی دل شکنی کا خیال ----- ۱۶۸
- حوصلہ افزائی ----- ۱۶۹
- اصلاح بین الناس کی فکر ----- ۱۷۰
- ہدیہ سے بے نیازی ----- ۱۷۱
- سفر خرچ ----- ۱۷۱
- وقت کی قیمت کا احساس ----- ۱۷۱
- ترک مال یعنی ----- ۱۷۲
- ایثار کا عملی نمونہ ----- ۱۷۳
- لاوارثوں کی کفالت ----- ۱۷۳
- یہ تو خیانت ہوگی ----- ۱۷۴
- آخرت میں جواب دہی کا خوف ----- ۱۷۴
- قیامت کے دن تمہارا دامن پکڑوں گا ----- ۱۷۵

- ۱۷۵ ----- میں نے آخرت کا بوجھ اوڑھ لیا ہے
- ۱۷۶ ----- تربیت کا انوکھا انداز
- ۱۷۷ ----- طلباء کے لئے گراں قدر نصیحت
- ۱۷۷ ----- امور عشرہ برائے طلباء



- ۱۷۹ ----- علماء کی ذمہ داری
- ۱۷۹ ----- لعنت کے اسباب سے بچیں
- ۱۸۰ ----- کارکنان تبلیغی جماعت سے خطاب
- ۱۸۱ ----- تین قیمتی ہدایتیں
- ۱۸۳ ----- ایک اہم حدیث کی تشریح



- ۱۸۵ ----- ماخذ و مراجع





## عرض مرتب (جدید ایڈیشن)

نحمده ونصلی علی رسولہ الکریم ، اما بعد :

”اللہ والوں کی مقبولیت کا راز“ کا اولین ایڈیشن آج سے آٹھ سال قبل شائع ہوا تھا، اس

کے بعد سے بفضلہ تعالیٰ ہندو پاک کے متعدد کتب خانوں سے اس کی برابر اشاعت ہو رہی ہے۔

اور اس پر اللہ رب العزت کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس کتاب سے قارئین

کو غیر معمولی نفع ہوا، فکر مند علماء اور خواص نے اس کی نہایت پذیرائی کی، حتیٰ کہ بعض مشائخ اور اہل

اللہ نے اپنی خانقاہوں اور مدارس و مساجد میں اس کی باقاعدہ تعلیم کا اہتمام کیا اور اس کے مطالعہ کو

اپنے ”اصلاحی نصاب“ کا ایک جز قرار دیا۔ فالحمد والشکر کله للہ۔

شروع ہی سے ارادہ تھا کہ اس رسالہ پر نظر ثانی کر کے بعض مضامین کا اضافہ اور ترتیب

و عنوانات کو مزید جاذب نظر بنایا جائے، مگر آج کل پر بات ٹلتی رہی، بالآخر چند ماہ قبل ہمت

کر کے اس کی کمپیوٹر کتابت شروع کر دی گئی اور جیسے جیسے موقع ملتا گیا تصحیح کے ساتھ ساتھ کچھ

اضافہ بھی کیا جاتا رہا، اور ذیلی عنوانات الگ الگ کردئے گئے۔ بالخصوص اہل علم کے لئے علامہ

ابن عبدالبر الاندلسیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) کی کتاب ”جامع بیان العلم وفضلہ“ سے گراں قدر اقوال

و احوال سلف جمع کردئے گئے۔ اب انشاء اللہ یہ کتاب پہلے سے زیادہ دل چسپی سے پڑھی

جائے گی اور اس کا نفع مزید عام ہوگا۔ وما ذلک علی اللہ بعزيز۔

جیسا کہ احقر نے اول اشاعت کے وقت عرض کیا تھا کہ اس کتاب کا اولین مخاطب خود یہ

ناکارہ ہے۔ بلکہ اپنی اصلاح کے لئے ہی اس مواد کو جمع کرنے کا داعیہ پیدا ہوا تھا، لیکن سخت افسوس

کا مقام ہے کہ ابھی تک احقر کتاب میں ذکر کردہ صفات میں اپنی زندگی ڈھالنے میں کامیاب نہ

ہوسکا، اس لئے قارئین سے عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ اس ناکارہ کے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ

تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ان لکھی ہوئی باتوں کے مطابق عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں، یہ اس ناکارہ پر بڑا احسان ہوگا۔ ساتھ میں یہ بھی گزارش ہے کہ وہ کتاب پڑھتے وقت مرتب کی ذات سے کسی بات کا موازنہ کرنے کے بجائے ہمیشہ اُن حضرات اکابر و سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے کردار ہی کو پیش نظر رکھیں جن کی طرف کتاب میں مذکورہ باتوں کا انتساب کیا گیا ہے، اس لئے کہ احقر تو صرف ناقل ہے، عمل کا دعویٰ نہ پہلے تھانا ہے۔

بہر حال اب یہ عاجزانہ کاوش قارئین کی خدمت میں پیش ہے، دعا ہے کہ اللہ رب العزت سے اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرما کر امت کے عوام و خواص کو اس سے استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائیں، اور اس کو ہم سب کی اصلاح و ہدایت کا ذریعہ بنا دیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مراد آباد

۱۴۲۵/۱۰/۲۲ھ



## عرض مرتب (طبع اول)

حامداً ومصلياً ومسلماً، اما بعد :

زیر نظر مضمون کا اولین مخاطب خود یہ راقم الحروف ہے، احقر نے جب یہ محسوس کیا کہ اپنی زندگی کی ڈگر اللہ کے نیک بندوں کے راستہ سے ہٹتی جا رہی ہے اور عمر کے ساتھ ساتھ لاپرواہی اور آخرت سے غفلت کا رجحان روز افزوں ہے، تو خیال آیا کہ اللہ والوں کی امتیازی صفات اور عبرت آموز واقعات یکجا کئے جائیں جو ہم جیسے کم ہمت لوگوں کے لئے مہمیز کا کام دیں۔ اور ان کو بار بار پڑھنے اور یاد رکھنے سے دل میں کچھ غیرت پیدا ہو اور کوتاہی کا تسلسل ٹوٹ سکے۔

اس لئے اپنی وسعت کے مطابق یہ چند بکھری ہوئی باتیں جمع کر دی ہیں، کاش یہ حقیر محنت بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل کرے اور اس ناکارہ اور سبھی قارئین کے لئے دینی فائدہ کے حصول کا ذریعہ بنے۔

قارئین سے بھی استدعا ہے کہ وہ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مقبول اور مقرب بندوں میں شامل فرمائیں اور اپنی رضاء دائمی سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم الافقاء والحدیث مدرسہ شاہی مراد آباد

۱۴۱۷/۱۱/۱۷ھ

# چند تاثرات:

○ حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی برنی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ

حامداً ومصلياً اماماً بعد:

اللہ جل شانہ نے انسانوں کی بلندی اور برتری کے لئے اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ پیدا فرمائے، انہیں اخلاق حسنہ اور صفات عالیہ کی وجہ سے انسانیت اجاگر ہوتی ہے اور جو مؤمن بندے ان سے متصف ہوتے ہیں ایسے افراد اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی مقبول ہوتے ہیں اور اس کے بندوں کے یہاں بھی انہیں مقبولیت عامہ نصیب ہوتی ہے، ان صفات عالیہ میں صفت تواضع اور انکساری بڑی اہمیت رکھتی ہے، اکابر دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے علوم وافرہ کثیرہ سے بھی نوازا اور اعمال صالحہ اور اخلاق عالیہ سے بھی متصف فرمایا، ان حضرات نے تواضع اور انکساری کو ایسا اپنایا اور حرز جاں بنایا کہ قرن ماضی میں اس کی نظیر نہیں ملتی، نیز ان حضرات میں زہد و استغناء بھی بڑے درجے کا تھا، تحریر و تقریر، شریعت و طریقت کی خدمات سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے تھیں، مخلوق سے کسی چیز کے طالب نہ تھے، کسی شخص سے خواہ کتنا ہی بڑا ہو، مال دار صاحب اقتدار ہو، ذرا سا بھی لالچ نہیں رکھتے تھے، اہل مال جو ان حضرات کے معتقد تھے وہ چاہتے تھے کہ کچھ پیش کریں، لیکن ان حضرات کا مزاج یہ تھا کہ قول و عمل سے یہ ظاہر فرمادیتے تھے کہ ہماری خوشی اس میں ہے کہ جس وجہ سے ہم سے تعلق ہے یعنی علم سیکھنا اور عملی زندگی کو اپنانا، ہم اس سے خوش ہوتے ہیں، ابھی دنیا میں ایسے افراد اور اشخاص موجود ہیں جنہوں نے ان حضرات کو دیکھا ہے اور جنہیں ان باتوں کا علم ہے اور ان حضرات کی جو سوانح لکھی گئی ہیں ان میں یہ باتیں مندرج ہیں۔

اللہ تعالیٰ مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری زاد اللہ علمہ و مجدہ نواسہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کو جزائے خیر دے جنہوں نے ایک رسالہ ”اللہ والوں کی مقبولیت کا راز“ کے عنوان سے تالیف کیا ہے، مولانا موصوف مدینہ منورہ تشریف لائے تو احقر کو بھی ایک نسخہ

عنایت فرمایا، ماشاء اللہ خوب ہی لکھا ہے، اکبر سلف کے واقعات اور اکبر دیوبند کے حالات متعلقہ تواضع و انکساری، ورع اور تقویٰ، زہد و استغناء اور خوف و خشیت بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ جمع کئے ہیں، رسالہ عوام و خواص سب ہی کے لئے ضروری المطالعہ ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زور قلب اور زیادہ

بارک اللہ تعالیٰ فی علومہ واعمالہ و جزاہ خیر الجزاء.

العبد الفقیر: محمد عاشق الہی بلند شہری عفا اللہ عنہ المدینۃ المنورہ ۱۴۱۸/۱/۱۷ھ

## ○ مولانا عثمان احمد قاسمی جامعہ بدر الاسلام شاہ گنج جوئی پور

مکرمی جناب مفتی صاحب دامت فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ باعث مسرت ہوا، اپریل کا ندائے شاہی ملا، ساتھ ہی آپ کی مرتبہ کتاب بھی ملی، عنایت فرمائی کا شکریہ قبول فرمائیں، آپ کی کتاب ظاہری معنوی ہر اعتبار سے لائق تحسین ہے اور آپ مبارک باد اور آفریں کے حق دار ہیں، ہر وقت اور ہر موقع پر اہم کام آپ نے انجام دیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے، اور لوگوں کو کتاب سے استفادہ کی توفیق دے، آپ کے مضامین سلسلہ وار ندائے شاہی میں شائع ہو رہے تھے، اب کتابی شکل میں آجانے سے اس کی افادیت بڑھ جائے گی اور یہ قیمتی تحریر محفوظ ہو جائے گی نام بھی آپ نے خوب رکھا ”اللہ والوں کی مقبولیت کا راز“ کتاب بہت پسند آئی۔ والسلام عثمان احمد غفرلہ شاہ گنج ۱۴۱۹/۷/۱۹ھ

## ○ حضرت مولانا نور عالم خلیل الایمنی، دارالعلوم دیوبند

اخی العزیز مولانا مفتی سلمان صاحب منصور پوری زید لطفہ ووفقہ اللہ کل خیر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید ہے کہ آپ ہر طرح مع الخیر ہوں گے۔ ہم رشتہ دونوں کتابیں ”اللہ والوں کی مقبولیت کا راز“ اور ”مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل“ عزیزم مولوی عفتان سلمہ کی معرفت موصول ہوئیں۔ اول الذکر کتاب تو تقریباً پوری پڑھ گیا، محظوظ ہوا، مستفید ہوا اور سعادت مندانہ لمحے اس کے ساتھ گزار کر روح کو تسکین اور قلب کو غذا ملی، واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب ہمارے مدرس حلقوں کی ناگزیر ضرورت ہے؛ ہمارے علماء، قائدین، مفکرین، واعظین، مدرسین، طلبہ اور ذمہ داران مدارس و مکاتب

وجامعات: سبھوں کے لئے فرداً فرداً مطالعے کی چیز ہے۔ جن امراض سے ہمیں بچنا چاہئے، ہم انہی کے شکار ہیں؛ اسی لئے اسلامی خدمتوں کی تمام کوششیں مطلوبہ نتائج تک پہنچنے میں ناکام ہیں۔ مظاہر و اشکال اور لاشہ ہائے بے جان کی طرح ہماری تگ و تازا کارت جا رہی ہیں۔

خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے بہت ضروری سمت میں یہ قدم اٹھایا ہے؛ جو آئندہ

بھی جاری رہنا چاہئے۔ والسلام

اخوک: نور عالم امینی شب جمعہ ۱۰/۴/۱۳۱۸ھ ۱۵/۸/۱۹۹۷ء

## ○ حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب، جامعہ فلاح دارین ترکیسر

عزیز القدر مولوی محمد سلمان سلمہ منصور پوری سلام مسنون

بعد دعا کے واضح ہو کہ تمہاری کتاب ”اللہ والوں کی مقبولیت کا راز“ موصول ہوئی، دلی خوشی ہوئی، سبحان اللہ تم نے اسلاف و اکابر کی زندگی: ان کی بے نفسی، اخلاص، انسان دوستی، فکر آخرت، انابت الی اللہ، امت کی فکر، اسلام کے لئے قربانیاں اور علم کی تحصیل اور اس کی اشاعت کے لئے جدوجہد، دیانت و صداقت، تقویٰ طہارت، جذبہ جہاد کے ان واقعات کو آج کی مادہ پرست، مطلب پرست، دھوکے باز، آخرت فراموش اور صرف دنیا کے لئے جینے اور مرنے کے خوگر غافل عوام و نام نہاد علماء و طلبہ کی آنکھیں کھولنے اور اپنا احتساب کرنے اور اپنے آپ کو ان کا جانشین اور معتقد کہنے والوں کو بڑا سامان عبرت جمع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کی طرف سے تم کو بھرپور بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

محتاج دعا: ذوالفقار احمد غفرلہ ۲۸/ اگست ۱۹۹۸ء

## ○ مفتی اسماعیل ابراہیم بھٹو کو دری دارالعلوم کنتھاریہ

محترم و مکرم مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ گذارش اینکہ گذشتہ کل ماہنامہ ندائے شاہی کے لفافہ میں آپ کی قلمی کاوشوں کا شمارہ اور فکر صواب کے گوشوں کے گوہروں کا گنجینہ دستیاب ہوا، یعنی ”اللہ والوں کی مقبولیت کا راز“ جس کو بندہ

پرچہ ندائے شاہی میں اکثر پڑھتا اور احباب سے کہتا اور سوچتا کہ بڑا قیمتی، مفید مضمون ہے، مجلس میں تعلیم کے قابل ہے، اور دل ہی دل میں سوچتا تھا کہ کاش یہ قسط وار مضامین بعنوان مذکور کتابی شکل میں چھپ جائیں۔ بندہ اس کو اپنی ضرورت سمجھ کر مطالعہ کرتا تھا، اور یہ خواہش کرتا تھا کہ ہر چھوٹے بڑے کی نظروں اور فکروں میں اسلاف کی یہ روشنی رہے تو امت کے قافلہ کو صحیح رخ مل جائے۔

اس اصلاحی رسالہ کے متعلق سوچا ہے کہ تعطیلات میں اپنے احباب وطن کو پڑھ کر سناؤں گا، تاکہ فاضلین جامعات اصولی اوصاف حمیدہ سے اور اکابرگی روش محمود سے آگاہ ہوں۔

دعا جو: (مفتی) اسماعیل ابراہیم بھڑکودری دارالعلوم کنتھاریہ ۱۲/۱۲/۱۴۱۷ھ

○ حضرت مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

برادر مکرم زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی ارسال کردہ کتاب ”اللہ والوں کی مقبولیت کا راز“ موصول ہوئی، پڑھ کر دیکھ کر رشک آیا، طلبہ میں زائد سے زائد تقسیم کی جائے انشاء اللہ فائدہ ہوگا، مدرسہ اور طلبہ کی اصلاح سے متعلق اسی نوع کے مفید مضامین آپ جمع کر دیں تو بہت مفید ثابت ہوں گے، اللہ پاک نے آپ کے اندر صلاحیت دی ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی آپ بیٹی میں بہت مضامین ہیں اس میں بھی کچھ کام کر دیجئے۔

اللہ پاک آپ کی مساعی جلیلہ کو قبول فرمائے، اور امت کو زائد سے زائد فائدہ پہنچائے۔ میرے لئے بھی دعاء کیجئے۔

بعض جگہ عنوانات قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے ایسا ہو جائے تو بہتر ہے، مضمون لمبا ہونے سے افادیت کم محسوس ہوتی ہے۔

حوالے نیچے ہو جائیں تو بہتر ہے یا مضمون پورا ہونے کے بعد ساتھ ہی، لیکن علیحدہ یعنی اس کے بعد کا مضمون نئی سطر سے شروع ہو۔

والسلام طالب دعاء: محمد زید ۱۲/۱۲/۱۴۱۷ھ

## ○ حضرت مولانا احمد نصر بنارسى مدرسہ عربیہ امدادیہ بنارس کینٹ

محبت مکرم جناب مفتی محمد سلمان صاحب سلمک اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے!

بہت ہی مختصر ملاقات تھی آپ نے اپنی مختصر مگر مدلل تالیف مرحمت فرمائی شکر یہ جزاکم اللہ خیر الجزاء، جستہ جستہ تو اسی وقت دیکھ لیا تھا، بنارس آ کر پھر اطمینان سے پوری کتاب پڑھی بہت ہی پسند آئی، آپ نے خوب لکھا ماشاء اللہ انداز بھی بہت ہی شگفتہ ہے آپ نے اللہ والوں کی مقبولیت کا راز پالیا، اس سے میرے اندر رشک کی کیفیت پیدا ہوئی کاش مجھے بھی یہ انداز نصیب ہوتا۔ اکابر کے واقعات نے دل پر بہت ہی اثر کیا واقعی عجیب و غریب نافع کتاب ہے۔ جزاک اللہ وبارک اللہ۔ کتاب پڑھنے کے بعد مرے دل میں آپ کی قدر بہت ہی زیادہ پیدا ہو گئی، کتاب کے پڑھنے کے بعد مؤلف کی میانہ روی و اعتدال کا جو پہلو سامنے آیا ہے وہ آج کل کے علماء ہی نہیں بلکہ مشائخ کے لئے بھی قابل تقلید ہے، میں بعد عصر طلبہ کو اکابر کی کتب سے چند اوراق سنایا کرتا ہوں، آج سے آپ کی مبارک تالیف کو سنانا شروع کر دیا ہے۔

اللہ پاک مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ اور ہم جیسے بے عمل ناکارہ لوگوں کو خاص کر اس ناکارہ کو ان اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دعوت صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔

احمد نصر بنارسى غفرلہ ۱۴۱۹/۲۶۳ھ







## حسن نیت:

دین کے ہر کام میں حسن نیت ضروری ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ یعنی اعمال کے مقبول ہونے یا نہ ہونے کا مدار نیت پر ہے، جیسی نیت ہوگی ویسے ہی اس پر اثرات مرتب ہوں گے، سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے: ”لَا عَمَلَ لِمَنْ لَا نِيَّةَ لَهُ“ یعنی جس کی نیت صحیح نہیں ہے اس کے عمل کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تکی ابن کثیر فرماتے ہیں ”نیت کرنا سیکھو، اس لئے کہ یہ عمل کرنے سے زیادہ اہم ہے“ داؤد طائی فرماتے ہیں: ”حسن نیت ہی تمام بھلائیوں کا مجموعہ ہے“ حضرت سفیان ثوری نے ارشاد فرمایا: ”میں اپنی نیت سے زیادہ کسی چیز کی نگرانی نہیں کرتا اس لئے کہ وہ مسلسل الٹی پلٹتی رہتی ہے“۔

یوسف ابن اسباط فرماتے ہیں: ”نیت کو فاسد ہونے سے بچانا اہل عمل کے لئے لمبی لمبی عبادتوں سے بڑھ کر ہے“ اور حضرت عبداللہ ابن مبارک نے ارشاد فرمایا: ”بہت سے معمولی اعمال نیت کی صحت کی وجہ سے عظیم الشان ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات بہت بڑے بڑے اعمال نیت کے فساد کی وجہ سے معمولی بن جاتے ہیں“۔

(جامع العلوم والحکم، ۱۲)

## رسوخ فی العلم

علماء نے حقیقی عالم کی چار اہم صفات بیان فرمائی ہیں:

□ التقویٰ فی ما بینہ و بین اللہ تعالیٰ.

اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تقویٰ کا معاملہ کرنا۔

□ التواضع فی ما بینہ و بین الناس.

اپنے اور لوگوں کے درمیان تواضع اور انکساری کا معاملہ کرنا۔

□ الزهد فی ما بینہ و بین الدنیا.

اپنے اور دنیا کے درمیان بے رغبتی کا معاملہ کرنا۔

□ المجاہدة فی ما بینہ و بین نفسه.

اپنے اور اپنے نفس کے درمیان مجاہدہ کا معاملہ کرنا۔ (اور آرام

طلبی کو چھوڑ دینا)۔  
(حاشیہ جمل علی الجلالین)



## یہ ہے قبولیت!

اشعث ابن شعبہ مصیعیؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ شہر ”رقہ“ میں مقیم تھے، اسی دوران امام وقت عبداللہ ابن المبارکؓ بھی ”رقہ“ میں رونق افروز ہوئے، ان کے استقبال کے لئے سارا شہر اٹھ پڑا، بھیڑ کی کثرت کی وجہ سے راستے ٹوٹے ہوئے جوتوں اور چپلوں سے پٹ گئے، اور پورے شہر کی فضا گرد آلود ہوگئی، ہارون رشید کی ایک باندی شاہی محل کے جھروکے سے یہ منظر دیکھ رہی تھی، اس نے لوگوں سے پوچھا: یہ ماجرا کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ آج خراسان کے ایک بڑے عالم عبداللہ ابن المبارکؓ نے اپنی تشریف آوری سے اس شہر کو رونق بخشی ہے، ان کی زیارت و استقبال کے لئے یہ عظیم مجمع اکٹھا ہوا ہے، باندی یہ سن کر بے اختیار بول اٹھی: ”اللہ کی قسم یہ ہے بادشاہت! ہارون رشید کی بادشاہت حقیقی نہیں جس کے لئے فوج اور سپاہیوں کے ذریعے مجمع لگایا جاتا ہے“۔ (مقدمہ کتاب الزہد ۵۵)

جن عبداللہ ابن المبارکؓ کا یہ واقعہ ہے ان کی عظمت و رفعت صرف عوام ہی کے دلوں میں نہ تھی بلکہ ان کے بارے میں بڑے بڑے ہم عصر علماء اور محدثین نے ایسے شان دار کلمات ارشاد فرمائے ہیں جو اسلامی تاریخ میں خال خال افراد ہی کو نصیب ہوئے ہیں۔ سفیان ثوریؒ جیسے جلیل القدر محدث سے مروی ہے وہ کہتے تھے کہ ”میں پوری عمر اس آرزو میں رہا کہ کاش میری زندگی کا کوئی ایک سال عبداللہ ابن المبارکؓ کی طرح گزر جائے مگر میں تین روز بھی ان کی طرح گزارنے

پر قادر نہ ہو سکا۔ امام نسائی کا بیان ہے ”ہمارے علم میں عبداللہ ابن المبارک کے زمانہ میں کوئی ان سے زیادہ برتر، اور ان سے زیادہ اوصاف حمیدہ کا جامع نہیں تھا۔“  
 الغرض علماء سلف و خلف ان کی جلالت شان پر متفق ہیں اور ہر شخص دل سے ان کا احترام کرتا نظر آتا ہے۔

## مقبولیت کی تمنا

عبداللہ ابن المبارک اور ان جیسے اپنے زمانہ کے مقبول و محبوب علماء اور صلحاء کے حالات و واقعات دیکھ کر بعد کے لوگوں میں بھی یہ خواہش انگڑائی لیتی ہے کہ لوگ ان کا بھی اسی طرح احترام کریں جیسا عبداللہ ابن المبارک وغیرہ کا کیا کرتے تھے۔ وہ جہاں بھی جائیں استقبال کے لئے لوگوں کی بھیڑ اٹھ پڑے، وہ جو بھی زبان سے نکال دیں وہ پتھر کی لکیر بن جائے، اور ہر شخص دل سے ان کا مطیع اور تابع فرمان بن جائے۔ جب ابتداء ہی سے ہم اپنا ذہن یہ بنا لیتے ہیں تو جہاں بھی ہماری دلی خواہش کی تکمیل میں رخنہ پڑتا ہے تو ہم ناراض ہو جاتے ہیں، ہمارے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں سخت اذیت محسوس ہوتی ہے مگر ان انفعالی کیفیات کے باوجود ہم مقبولیت کے مقام سے کوسوں دور رہتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو پہلے ان صفات میں ڈھالا نہیں جن پر انسان کی مقبولیت کا مدار ہے۔ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح بغیر سہارے کے کسی بلند چھت پر چڑھنا محال ہے اسی طرح چند لازمی صفات اختیار کئے بغیر مقام مقبولیت کی گرد پانا بھی مشکل ہے۔ آئندہ صفحات میں ایسی ہی چند صفات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیں:





## تواضع وانکساری

مقبولیت کی صفات میں سب سے اہم صفت تواضع وانکساری ہے، یعنی آدمی خود اپنی مقبولیت کا متمنی نہ رہے اور دل سے اپنے آپ کو کم تر سمجھتا رہے، اور ہر وقت عاجزی کا مظاہرہ کرتا رہے، قرآن کریم میں رحمن کے خاص اور مقرب بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے یہی صفت بیان کی گئی ہے کہ ان کی چال ڈھال سے تواضع اور عاجزی کی شان نمایاں ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ  
عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا. (الفرقان ۶۳)

اور رحمن کے خاص بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں  
زمین پر دبے پاؤں۔

اس عاجزی سے انسان اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان محبوب بن جاتا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اپنے آپ کو کمتر  
مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ.

سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سر بلندی اور عزت سے  
(مشکوٰۃ شریف ۴۳۴/۲)

سرفراز فرماتے ہیں۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ أَوْصَىٰ إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا  
اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے کہ عاجزی اختیار  
كَرُوا أَنَّهُ كَوْنِي شَخْصٍ دَوْسَرِے كَمَقَابِلِهِ مِیں نَه تَو  
حَتَّى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَيَّ أَحَدٍ وَلَا

يَبْغِي أَحَدًا عَلَى أَحَدٍ .  
فخر کرے اور نہ ظلم کرے۔

(مسلم شریف، ابو داؤد شریف ۹۵، ۴۸،

الترغیب و الترہیب ۱۳ / ۳۵۰)

سیدنا حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دن منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اے لوگو! تواضع اختیار کرو، اس لئے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ فَهُوَ فِي نَفْسِهِ صَغِيرٌ وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيمٌ، وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللَّهُ فَهُوَ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيرٌ وَفِي نَفْسِهِ كَبِيرٌ حَتَّى لَّهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ حَنْزِيرٍ .

جو شخص اللہ کے لئے عاجزی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے سر بلندی سے نوازتے ہیں، پس وہ اپنی نظر میں کم تر لیکن لوگوں کی نظر میں برتر ہو جاتا ہے (اس کے برخلاف) جو شخص تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ذلیل فرمادیتے ہیں تو وہ لوگوں کی نظر میں کم تر ہو جاتا ہے حالانکہ وہ خود اپنے کو برتر سمجھتا ہے حتیٰ کہ وہ لوگوں کی نگاہ میں کتے اور خنزیر سے بدتر ہو جاتا ہے۔

(شعب الإیمان ۱۶ / ۲۷۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد عالی کی صداقت کھلے آنکھوں دکھائی دیتی ہے، جو شخص بھی دل سے متواضع ہوتا ہے وہ محبوب خلائق بن جاتا ہے، اور جو غرور اور رعونت ظاہر کرتا ہے تو اس کی ذلت لوگوں کے دلوں میں پیوست ہو جاتی ہے۔

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے پیچھے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھیڑ چلنا بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید گرمی کے دن بقیع کی طرف تشریف لے چلے، لوگ آپ کے پیچھے چل رہے تھے، جب آپ نے پیچھے جوتوں کی آواز سنی تو اسے اپنی توقیر کا ذریعہ سمجھا اور آپ فوراً بیٹھ گئے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو آگے بڑھا دیا تاکہ آپ کے دل میں تکبر کا شائبہ نہ آجائے“۔ (ابن ماجہ ۲۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام بیماروں کی مزاج پرسی فرماتے، جنازہ میں شرکت کرتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے۔ اور (ضرورت پڑنے پر) دوسرے کو پیچھے بٹھا کر گدھے کی سواری میں بھی عار نہ محسوس فرماتے، غزوہ خیبر اور غزوہ بنی قریظہ میں آپ ایسے گھوڑے پر سوار تھے جس کی نیل کھجور کی رسی کی تھی، اور اس پر کھجور کی چھال سے بنی ہوئی کاٹھی تھی۔ (شعب الایمان ۲/۲۹۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بے تکلف بیٹھ جاتے، اور زمین پر بیٹھ کر کھانا نوش فرماتے اور بکریوں کو خود باندھ دیتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے تھے۔ (شعب الایمان ۱/۲۹۰)

یہ سب باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ ترین تواضع کی نظیر تھیں، کہ ہر کمال سے متصف ہونے کے باوجود آپ کی حیات طیبہ ان تکلفات سے قطعاً خالی تھی جو نام نہاد بڑے لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔

## سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تواضع

خلیفہ اول سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے سے پہلے تک محلہ والوں کی بکریوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔ جب آپ خلیفہ بن گئے تو محلہ کی ایک بچی نے کہا کہ ”اب ابو بکر ہمارے جانوروں کا دودھ کہاں نکالیں گے؟“ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: ”کیوں نہیں؟ میں اب بھی تمہارے لئے دودھ دوہا کرونگا، اور مجھے امید ہے کہ میری نئی مصروفیت میرے کسی سابقہ اخلاق میں کوئی تبدیلی نہ کرے گی،“ چنانچہ آپ خلیفہ وقت ہونے کے باوجود محلہ والوں کے لئے دودھ دوہا کرتے تھے۔ (العلم والعلماء ۱۳۶)

## سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تواضع

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ امیر المؤمنین ہونے کے باوجود اون کا جبہ استعمال کرتے تھے جس میں چڑے کے پیوند لگے ہوتے تھے، اور اپنے کندھے پر کوڑا رکھے خود بازار میں گھومتے اور لوگوں کی (غلطیوں پر) سرزنش کرتے،



اور اگر کہیں کھجور کی گٹھلیاں یا سوت وغیرہ پڑا ہوا ملتا تو اسے اٹھا لیتے اور کسی گھر میں ڈال دیتے تاکہ وہ گھروالے اس سے فائدہ اٹھائیں۔ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ اپنے کندھے پر مشک اٹھائے جا رہے ہیں (لوگوں کے تعجب پر) آپ نے فرمایا کہ ”میں نے اپنے نفس کو ذلیل کرنے کیلئے ایسا کیا کیونکہ مجھے عجب کا شبہ ہو گیا تھا“۔ (العلم والعلماء ۱۶۳)

اصح ابن نباتہؒ کہتے ہیں کہ میں نے خود سیدنا حضرت عمر ابن الخطابؓ کو دیکھا کہ آپ اپنے بائیں ہاتھ میں گوشت اور دائیں ہاتھ میں کوڑا اٹھائے ہوئے بازار سے گذر کر اپنے دولت خانہ تشریف لے گئے۔ (یعنی امیر المؤمنین ہونے کے باوجود ضرورت کی چیز ہاتھ میں لے کر چلنے میں کوئی عار محسوس نہ فرمائی) (احیاء العلوم ۲/۲۱۲)

طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت عمر بن الخطابؓ جب ملک شام تشریف لے گئے تو راستہ میں ایک نہر عبور کرنے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عمرؓ بے تکلف اپنی سواری سے اتر گئے، اور موزے اتار کر ہاتھ میں لے لئے اور اپنے اونٹ کی نیل پکڑ کر نہر سے پار ہو گئے، یہ منظر دیکھ کر حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! آج تو آپ نے بڑا حیرت ناک عمل کیا؟ (یعنی یہاں کے باشندے تو یہ تصور ہی نہیں کر سکتے کہ ملک کا بادشاہ اس طرح نہر کو پار کرے) تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کے سینے پر انگلی چبھوتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”ابو عبیدہ! کاش کوئی اور یہ بات کہتا، اصل بات یہ ہے کہ تم لوگوں میں سب سے مکر اور ذلیل تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے دین اسلام کے ذریعہ عزت بخشی پھر اب اسلام کے علاوہ میں اپنی عزت کیوں ڈھونڈ رہے ہو؟“ (شعب الایمان ۶/۲۹۱)

## سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کی تواضع

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ وقت ہونے کے باوجود مسجد نبوی میں بے تکلف آرام کرتے ہوئے دیکھا ہے، جب آپ وہاں سے اٹھتے تو صحن کی کنکریوں کے نشانات آپ کے بدن پر ہوتے تھے تو ہم ان کی طرف اشارہ کر کے کہتے: ”یہ ہیں

امیر المؤمنین! یہ ہیں امیر المؤمنین!“۔ (العلم والعلماء ۱۷۴)

## سیدنا حضرت علیؑ کی تواضع

امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بعض لوگوں نے دیکھا کہ اپنے بازار سے گھر کے لئے گوشت خرید کر اپنی چادر میں رکھ لیا اور تشریف لے چلے، ساتھی نے کہا کہ لائیے! حضرت میں اسے اٹھا لوں، آپ نے فرمایا: ”نہیں، گریہ سستی والا ہی اسے اٹھا کر لیجانے کا زیادہ حقدار ہے“۔ (احیاء العلوم ۲۱۴۳)

## سیدنا حضرت سلمان فارسیؓ کا عمل

ثابت البنائی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر تھے تو ایک شامی شخص آیا جس کے پاس ”بھس کا گٹھر“ تھا، حضرت سلمان فارسیؓ ادھر سے عجمی لباس پہنے ہوئے گذر رہے تھے اس شخص نے آپ کو پکارا کہ میرا بوجھ ذرا لے کر چلو (اس نے سمجھا ہوگا کہ یہ کوئی مزدور ہے) حضرت سلمان فارسیؓ نے وہ سامان اٹھا لیا اور لے کر چلے، جب لوگوں نے آپ کو دیکھا اور پہچانا تو کہنے لگے: ارے یہ تو گورنر صاحب ہیں! اس شامی شخص نے بھی معذرت کی کہ حضرت! مجھے یہ پتہ نہیں تھا مگر حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا: ”کوئی بات نہیں، میں تمہاری قیام گاہ تک سامان پہنچاؤں گا“۔ (العلم والعلماء ۲۳۱)

## حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایک مرتبہ ایندھن کا ایک گٹھر اٹھائے اپنے باغیچے سے باہر نکلے، لوگ انہیں دیکھ کر بولے کہ: حضرت! آپ یہ کام اپنے کسی لڑکے یا غلام سے لے لیتے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: میں اپنے دل کو آزار ماہوں کہ یہ عمل مجھے برا تو نہیں لگتا، (یعنی اگر نفس پر شاق ہوگا تو تواضع کے خلاف ہوگا)۔ (شعب الایمان ۲۹۲۶، کتاب الزہد ۲۸۷)

## سیدنا حضرت زین العابدینؑ کی تواضع

خانوادہ نبوت کے چشم و چراغ، سیدنا علی ابن الحسین زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی جب

وفات ہوئی تو آپ کو غسل دینے والوں نے آپ کی کمر مبارک پر کالے کالے گٹے دیکھے تو گھر والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے نشانات ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ان آٹوں کے تھیلوں کے نشانات ہیں جنہیں حضرت زین العابدینؑ رات کے وقت کمر پر لا کر لیجاتے اور مدینہ منورہ کے فقیروں کو تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ (العلم والعلماء ۲۷۲)

## سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مہمان کے ساتھ برتاؤ

خليفة راشد سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص رات میں مہمان ہوا، آپ چراغ کی روشنی میں کچھ لکھ رہے تھے اتنے میں چراغ بجھنے لگا، مہمان نے کہا کہ: لائیے! میں اسے ٹھیک کر دوں، (یعنی اس میں تیل وغیرہ ڈال دوں) حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا کہ: ”مہمان سے خدمت لینا اچھی بات نہیں ہے“، مہمان نے عرض کیا کہ حضرت! پھر کسی غلام کو آواز دیں، وہ چراغ درست کر لائے گا، آپ نے فرمایا کہ: ”نہیں، وہ ابھی تو سویا ہے“ (اس کی نیند کچی ہے) پھر آپ خود اٹھے اور شیشی سے تیل نکال کر چراغ میں ڈالا، (اور اسے درست کیا) مہمان نے تعجب سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! آپ نے خود ہی یہ زحمت اٹھائی، اس پر حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا کہ: ”جب میں گیا تو بھی عمر ہی تھا، اور لوٹا تو بھی عمر ہی رہا، میرے اندر کوئی کمی تو نہیں ہوئی، اور سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو اللہ کے نزدیک متواضع ہو“۔ (احیاء العلوم ۳/۲۱۴)

## امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تواضع

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کی والدہ محترمہ کو کوئی مسئلہ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی، امام صاحبؒ نے مسئلہ کا حکم بتادیا، تو آپ کی والدہ اس پر مطمئن نہ ہوئیں اور کہا کہ میں تو ”زرعہ قاص“ کے قول کو مانوں گی، چنانچہ حضرت امام صاحبؒ اپنی والدہ محترمہ کو لے کر ”زرعہ“ کی خدمت میں تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ میری والدہ محترمہ آپ سے فلاں فلاں مسئلہ کے بارے میں فتویٰ لینے آئی ہیں ”حضرت زرعہ“ نے

فرمایا کہ: آپ تو خود ہی سب سے بڑے عالم اور فقیہ ہیں، آپ ہی بتادیں! تو امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے تو انھیں یہ فتویٰ دیا ہے، ”حضرت زرعہ“ نے آپ کی والدہ ماجدہ سے کہا کہ مسئلہ وہی ہے جو امام صاحب نے بتایا ہے، ان کی زبانی تائید سنکر والدہ محترمہ کو اطمینان ہوا۔ (عقود الجمان ۲۹۲)

اسی طرح امام صاحب نے عمر ابن ذر کی مجلس میں بھی والدہ محترمہ کو لے کر جاتے، وہ خود عمر ابن ذر سے مسئلہ معلوم کرتیں اور عمر ابن ذر امام صاحب سے حکم معلوم کر کے آپ کی والدہ محترمہ کو مسئلہ بتایا کرتے تھے۔ (عقود الجمان ۲۹۲)

## حضرت عبداللہ بن المبارکؓ کا جذبہ تواضع

سیدنا حضرت عبداللہ ابن المبارکؓ جب ”مرو“ میں رہتے تھے تو ایک بڑے مکان میں قیام پذیر تھے جس کا صحن پچاس گز لمبا چوڑا تھا، اور روزانہ شہر کے بڑے بڑے علماء، امراء اور شیوخ آپ کے مکان پر جمع ہوتے اور آپ کے انتظار میں باہر بیٹھے رہتے اور جب آپ باہر تشریف لاتے تو ملاقات کا شرف حاصل کرتے تھے، مگر جب آپ ”کوفہ“ پہنچے تو وہاں ایک چھوٹے سے مکان میں قیام کیا اور نماز کے اوقات کے علاوہ آپ مکان سے باہر تشریف نہ لاتے، راوی کہتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے آپ سے پوچھا کہ ”اب آپ کو تنہائی سے وحشت نہیں ہوتی، کہ ”مرو“ میں اتنی خلقت کے درمیان رہتے تھے اور یہاں بالکل تنہا ہیں؟“ تو آپ نے یہ سن کر ایسا جواب دیا جو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے، آپ نے فرمایا کہ: ”مرو“ کی جس چیز کو تم پسندیدہ سمجھ رہے ہو اسی سے تو بھاگ کر میں یہاں آیا ہوں، یہ تنہائی جسے تم ناپسند سمجھ رہے ہو یہی مجھے مرغوب ہے، جب میں ”مرو“ میں تھا تو جو بھی معاملہ پیش آتا میرے حوالہ کر دیا جاتا اور جو بھی مسئلہ کھڑا ہوتا یہ کہا جاتا کہ ”ابن مبارک سے پوچھ لو“ آج مجھے ان جھمیلوں سے نجات ملی ہوئی ہے۔

کوفہ کے زمانہ قیام میں ایک مرتبہ آپ پانی پینے کے لئے ”سقایہ“ پر تشریف لے گئے وہاں لوگ جمع تھے، آپ پانی پینے کے لئے آگے بڑھے، لوگوں نے آپ کو نہ پہچانا جس کی وجہ سے آپ کو بھی لوگوں کی بھیڑ کی بنا پر ”دھکائی“ کی زحمت اٹھانی پڑی، جب آپ وہاں سے باہر نکل کر

آئے تو فرمایا: ”یہی اصل زندگی ہے جس میں نہ پہچانے جائیں، نہ عزت کی جائے۔“  
 ایک مرتبہ نصر ابن محمدؓ نے اپنے بیٹے کے ولیمہ میں آپ کو دعوت دی، تو آپ تشریف لے  
 گئے اور جا کر لوگوں کو کھانا کھلانے والوں میں شامل ہو گئے، نصر ابن محمدؓ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے، اور  
 منت سماجت کر کے وہاں سے آپ کو لا کر الگ بٹھایا۔ (مقدمہ کتاب الزہد ۴۳، ۴۴، ۴۶)

## حضرت معاذ بن جبلؓ کا ارشاد

صحابی رسول حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ انسان اس وقت تک ایمان کے کمال کو  
 حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کے نزدیک تواضع شرافت سے زیادہ افضل اور پسندیدہ نہ  
 ہو جائے، اور تھوڑی دنیا زیادہ مال کے مقابلہ میں اسے عزیز نہ ہو جائے، اور حق بات میں اس سے  
 محبت یا بغض رکھنے والے دونوں اس کی نظر میں برابر نہ ہو جائیں، اور وہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی  
 اسی طرح فیصلہ کرے جیسے اپنے اور اپنے گھر والوں کے حق میں کرتا ہے۔ (کتاب الزہد بروایۃ نعیم ۵۲)  
 حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ”اے لوگو! تم افضل ترین عبادت یعنی  
 تواضع سے لاپرواہی برت رہے ہو۔“ (کتاب الزہد ۱۳۲)

حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ”میں لوگوں کے سامنے زیادہ گفتگو  
 نہیں کرتا، مبادا میں فخر و مباہات میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔“ (کتاب الزہد ۴۴)  
 حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”تواضع لوگوں کے دلوں میں محبت کی تخم  
 ریزی کرتی ہے، اور قناعت سچی راحت عطا کرنے کا ذریعہ ہے۔“ (العلم والعلماء ۲۲۴)

## عالم کامل کی پہچان

حضرت ابو حازم کہتے ہیں کہ جب تک تین باتیں کسی میں نہ پائی جائیں وہ عالم کہلانے کا  
 مستحق نہیں ہے۔ (۱) اپنے سے بڑے سے بغاوت نہ کرے۔ (۲) اپنے سے چھوٹے کو حقیر نہ  
 سمجھے۔ (۳) اپنے علم پر کسی سے معاوضہ کا طالب نہ رہے۔ (العلم والعلماء ۲۶۵)

الغرض یہ تواضع اور انکساری اور شہرت پسندی سے اجتناب ایسی عظیم صفت ہے جو انسان کو

واقعہ عند اللہ اور عند الناس محبوب اور مقبول بنا دیتی ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جو حضرات بھی اپنے زمانہ میں مقبول و محبوب رہے ہیں اور جنہوں نے بھی فقر میں رہ کر خلق خدا کے دلوں پر حکمرانی کی ہے وہ اعلیٰ درجہ کی تواضع سے متصف تھے۔ خاص کر حضرات اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ ان کی ہر ہر ادا سے عجز و فروتنی اور تواضع و انکساری کا اظہار ہوتا تھا۔ اس ضمن میں اگر ان حضرات کے واقعات یکجا کئے جائیں تو چھپا خاصا مواد تیار ہو سکتا ہے۔ اسی صفت نے ان بزرگوں کی عظمت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بٹھادیا تھا، اور عوام و خواص سب ان کے گرویدہ اور دل و جان سے مطیع ہو گئے تھے، اور آج بھی جب ان کا نام سامنے آتا ہے تو گردنیں ان کے احترام سے جھک جاتی ہیں۔

## ہمارا حال

مگر افسوس ہے کہ آج ان ہی بزرگوں کے اخلاف اور ہم جیسے کندہ ناتراش جو چاہتے تو یہ ہیں کہ ہمیں بھی وہی مقبولیت ملے جو کسی زمانہ میں عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور اکابرین کو حاصل تھی مگر ہماری زندگی تواضع کی حقیقت سے خالی ہے۔ آج ہم زبانی طور پر اپنے کو متواضع، کمترین نالائق، احقر، حقیر اور فقیر وغیرہ کہتے نہیں تھکتے، مگر دماغ میں خود نمائی اور خود پسندی کا سودا سما رہتا ہے، اپنی تعریف سن سن کر جی بڑا خوش ہوتا ہے، اور اعتراض کے شائبہ سے بھی دماغ کھولنے لگتا ہے۔ ہم ہر وہ ہیئت اختیار کرنا پسند کرتے ہیں جس سے ہماری عظمت کا اظہار ہو، اور ہر اس صورت سے بچتے ہیں جس سے ہم دل میں خفت محسوس کریں۔ لوگوں کے سامنے کتابیں یا اپنے سودے کا تھیلا لے کر چلنے میں ہمیں شرم آتی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ہماری عزت میں فرق آجائے گا، حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کو دفع کرنے کا یہ طریقہ بھی بتلایا ہے کہ آدمی اپنے گھر کا سامان خود اٹھا کر لایا کرے۔ (احیاء العلوم ۲۰۶، ۲۰۷)

چنانچہ میں نے اپنے بعض اساتذہ کو دیکھا کہ وہ روزانہ اپنے گھر کا سودا سلف اٹھا کر لاتے تھے اور کوئی شاگرد تھیلا لے کر ساتھ چلنے کی کوشش بھی کرتا تو منع فرما دیتے، خود جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کام کاج میں شریک رہتے۔ ضرورت پڑتی تو بکری کا دودھ بھی اپنے دست مبارک سے دوہ لیتے، گدھے کی سواری کو بھی باعث عار نہ سمجھتے، اور مہمان کی خود ہی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ (مجمع الزوائد ۲۰/۹)

## حضرت مدنیؒ کا عمل

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں درس دیتے تھے اور اس وقت آپ کا درس نہایت مقبول تھا، اسی دور میں درس سے فارغ ہو کر خود اپنے ہاتھوں سے والد محترم اور بھائیوں کے ساتھ اپنے گھر کی تعمیر کا کام بھی انجام دیتے تھے، حالانکہ اگر آپ ذرا سا اشارہ بھی کر دیتے تو آپ کے سب شاگرد سعادت سمجھ کر اس خدمت کو انجام دیتے مگر آپ نے اس کو گوارا نہ فرمایا اور خود اپنی ضرورتیں پوری فرمائیں۔

## وعظ کی مجلسیں کیوں مؤثر نہیں؟

اسی طرح آج جب ہم کہیں تقریر کے لئے بلائے جاتے ہیں تو پہلے ہی سے ہماری یہ تمنا رہتی ہے کہ ہمارا نام سن کر جلسہ میں بڑا مجمع آئے اور تقریر ایسی ہو جو تاریخی یادگار بن کر زبان زد خاص و عام ہو جائے، اور جلسہ والے اگر خاطر خواہ ظاہری اور باطنی (لفافہ کی شکل میں) آؤ بھگت نہ کریں تو ہمیں شدید کوفت ہوتی ہے، کبھی ہم اس کا برملا زبان سے اظہار بھی کر دیتے ہیں، نہیں تو یہ طے کر لیتے ہیں کہ اب آئندہ یہاں کبھی نہیں آئیں گے اور اگر ہم مدعو ہوں مگر وقت کی تنگی اور مقرروں کی کثرت کی وجہ سے ہمیں اپنے خیالات کے اظہار کا موقع نہ ملے تو ہمارے غصہ کا ٹھکانہ نہیں رہتا، ہمیں اپنے فن پر اتنا ناز ہوتا ہے کہ ہم جلسہ میں کسی دوسرے مقرر کی تقریر خوش دلی سے سننا بھی گوارا نہیں کرتے، دل چاہتا ہے کہ جلدی سے اس کی تقریر ختم ہو یا ختم کرائی جائے اور ہمارا نمبر آئے تاکہ اگلی پچھلی کسر نکالی جاسکے۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو سب سے اچھا مقرر اور گفتگو کا سب سے بڑا

اہل سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ نہایت خطرناک بات ہے۔

## عالم کے لئے فتنہ

زید ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عالم اور فقیہ کے لئے یہ فتنہ ہے کہ وہ دوسرے کی گفتگو سننے کے مقابلہ میں اپنی بات کہنا زیادہ پسند کرتا ہو، باوجودیکہ وہ ایسے کو پائے جو اس کی طرف سے گفتگو کی کفایت کر سکے، (یعنی دوسرے اہل شخص کی موجودگی میں بھی اپنی بات کہنا ضروری خیال کرے تاکہ لوگ اس کے علم کے قائل ہو سکیں) (کتاب الزہد ۱۶)

نصر بن حاجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ”عمر ابن ذر“ کی تقریر سننے تشریف لے جاتے اور اس میں کوئی عار نہ محسوس کرتے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے دیکھا کہ آپ تقریر اور وعظ غور سے سن رہے ہیں اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ (عقود الجمان ۲۲۹)

آج ہمیں دوسروں کے وعظ کو سننے کی فرصت ہی کہاں؟ یہاں تو یہ ادھیڑ بن رہتی ہے کہ کیا ایسی بات کہی جائے کہ اپنے سے پہلے مقرر کا سارا اثر جاتا رہے۔ ایک عقل مند کا قول ہے کہ جب کوئی شخص کسی جلسہ میں گفتگو کرے اور اسے اپنی تقریر اچھی لگے اور وہ عجب میں مبتلا ہو جائے تو اسے فوراً خاموش ہو جانا چاہئے۔ اور جب کوئی شخص کسی ایسی مجلس میں ہو جہاں خاموش رہنا باعث عجب ہو تو اسے کچھ گفتگو کر لینی چاہئے۔ (کتاب الزہد ۶)

ہمارے اکابر کے ایسے واقعات موجود ہیں کہ تقریر کرتے کرتے جیسے ہی یہ احساس ہوا کہ یہ بات ہماری بڑائی کا ذریعہ بنے گی تو فوراً بات ختم کر دی اور بیٹھ گئے۔

## حضرت شیخ الہند کا عبرت انگیز واقعہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ جن کا علمی اور روحانی فیض آج چار دانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے ایک مرتبہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر کانپور تشریف لے گئے اور بہت اصرار کے بعد علماء کی ایک مجلس میں وعظ کہنا شروع کیا، علمی ماحول میں حضرت کی طبیعت خوب کھلی ہوئی تھی اور مضامین عالیہ بیان ہو رہے تھے اتنے میں ایک (مائل بہ بدعت) عالم مولانا لطف اللہ علی گڑھی مجلس میں آ گئے، ان کو دیکھتے ہی



حضرت شیخ الہندؒ نے اچانک تقریر ختم فرمادی اور بیٹھ گئے، بعد میں مولانا فخر الحسن صاحبؒ نے پوچھا کہ حضرت! اچانک وعظ کیوں ختم فرمادیا تھا۔ آپ کا جواب تھا: کہ جب مولوی لطف اللہ صاحب آئے تو مجھ کو خیال ہوا کہ اب مضامین بیان کرنے کا وقت ہے، یہ بھی دیکھیں گے کہ علم کیا چیز ہے تو اس طرح وعظ میں خلوص نہ رہا اس لئے لے قطع کر دیا گیا۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۲۰۷)

اللہ اکبر! یہ ہے اخلاص! ذرا سوچیں، آج اگر ہمیں ایسے مجامع میں بیان کرنے کا موقع ملے تو ہم چھانٹ کر ایسی باتیں لاتے ہیں جو کسی کے وہم و خیال میں بھی نہ ہوں تاکہ حاضرین عیش و عشرت کراٹھیں اور مجمع بے اختیار داد دینے پر مجبور ہو جائے۔ نعوذ باللہ من ذلك۔

## مجمع کی کثرت اصل نہیں

اسی طرح ان حضرات نے کبھی یہ اہتمام نہیں کیا کہ ان کی مجلس میں بڑا مجمع آئے بلکہ جب اور جہاں فائدہ دیکھا تو چند لوگوں میں بھی اسی انشراح کے ساتھ بیانات فرمائے جیسے بڑے بڑے جلسوں میں کئے جاتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ دیکھئے! حیرت ہوتی ہے کہ صرف ۲۵/۲۰ آدمی سامنے بیٹھے ہیں اور آپ کئی کئی گھنٹے بلا تکان علوم و معارف کے پھول برسا رہے ہیں، اور ہم اپنی حالت یہ دیکھتے ہیں کہ جب تک بھرا پُر اجلسہ نہ ہو ہماری طبیعت ہی نہیں چلتی، بلکہ بھیڑ کی کمی کی وجہ سے آیا ہوا مضمون بھی خبط ہو جاتا ہے، گویا ہم جلسوں کو اشاعت دین نہیں بلکہ اپنی شہرت کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ کیوں کہ اگر ہمارا مقصود اشاعت دین ہوتا تو ہم دو چار آدمیوں میں بھی دین کی بات پہنچانے میں ہرگز نہ جھکتے، جب کہ یہ تجربہ ہے کہ جو فائدہ بسا اوقات مختصر مجمع میں بیانات سے ہوتا ہے وہ عظیم الشان جلسوں سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر ہماری نیت میں خلوص ہوتا تو کسی دوسرے مقرر کی تقریر سے ہمیں قطعاً کوفت نہ ہوتی، اور ہم سمجھ لیتے کہ مقصود اس سے بھی حاصل ہو رہا ہے بلکہ اور خوش ہوتے کہ ہماری ذمہ داری اس نے ادا کر دی۔

## مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کا واقعہ

اپنے دور کے خطیب اعظم حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک جلسہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں پہلے مولانا محمد علی جالندھری کی تقریر ہوئی ان کی تقریر کے دوران شاہ صاحب واہ واہ اور سبحان اللہ کہتے رہے اور جب شاہ صاحب کا نمبر آیا تو یہ فرما کر جلسہ برخاست کر دیا کہ مولانا کی تقریر کے بعد اب میری ضرورت نہیں رہی، حالاں کہ شاہ صاحب ہی کے نام پر جمع اکٹھا ہوا تھا۔ (میں بڑے مسلمان)

## حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا معمول

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ اپنی علمی جلالت کے باوجود کسی بھی واعظ کی تقریر سننے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے بلکہ وقت نکال کر کچھ نہ کچھ دیر کے لئے وعظ ضرور سنتے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے وعظ میں کوئی نئی بات معلوم ہو جائے یا عمل کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ (دیکھئے میرے والد میرے شیخ، از: مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی ۱۹۴)

## مقبول کون؟

ہم اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ عمدہ عمدہ نادر و نایاب مضامین لسانی اور چرب زبانی، اور اپنی تقریروں میں لطائف و ظرائف کا انبار لگا کر ہم مقبولیت کا مقام حاصل کر لیں گے اور اپنی دھاک لوگوں کے دلوں میں بٹھالیں گے؟ حالاں کہ یہ سراسر فریب ہے، ہو سکتا ہے کہ ہم اس تماشہ سے وقتی طور پر لوگوں کو داد دینے پر مجبور کر دیں، مگر مقبولیت کا راز صرف عند اللہ مقبولیت ہی میں مضمر ہے۔

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ: ”دنیا میں کسی شخص کی تعریف اس وقت تک لوگوں کے دلوں

میں نہیں اترتی جب تک کہ آسمان والوں میں اس کی تعریف کا چرچا نہ ہو جائے“۔ (کتاب الزہد ۱۵۳)

ظاہر ہے کہ آسمان والوں میں تعریف اسی شخص کی ہو سکتی ہے جو تواضع اور اخلاص و للہیت کی

عظیم صفات سے مزین ہو، ریا و نمود کے جذبہ سے کہے جانے والے شان دار مضامین سامعین کے

سروں پر سے گذر جاتے ہیں جب کہ اخلاص سے کبھی جانے والی ٹوٹی پھوٹی باتیں دل کی گہرائیوں میں جگہ پا جاتی ہیں۔

## امام ربانی حضرت گنگوہیؒ کے وعظ کا حال

امام ربانی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جن کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سبق کے دوران بارش آجانے پر طلبہ کے جوتے تک اٹھائے اور ذرہ برابر عار محسوس نہ فرمائی۔ (ارواحِ ثلاثہ ۳۲۱)

جب آپ وعظ فرماتے تو نہایت سادگی کے باوجود حاضرین کی حالت یکسر بدل جاتی اور لمبی چوڑی لچھے دار تقریروں سے جو اثر نہیں ہو سکتا وہ آپ کے ارشاد فرمودہ چند جملوں سے ہو جاتا تھا، ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کے جلسہ ہوسٹار بندی کے موقع پر جمعہ کی نماز کے بعد جامع مسجد میں لوگوں کے شدید اصرار پر آپ نے وعظ فرمایا، وعظ کے دوران مجمع کا کیا حال تھا؟

مولانا عاشق الہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

”وعظ کیا تھا؟“ ”وان من البیان لسحرا“ کا مصداق تھا، اور بیان کیا تھا؟ محبت الہی کا دریائے موج اور قلزم متلاطم تھا جس نے اس کنارے سے لے کر اس کنارے تک ہر صغیر و کبیر کی حالت کو دگرگوں کر دیا تھا۔ آپ حدیث کی کتاب لے کر منبر پر بیٹھے اور کیف ما اتفق اس کو کھول کر جو حدیث پر نظر پڑی، اس کو دیکھ کر ترجمہ فرمانے لگے، آپ کے سارے وعظ میں حدیث نبوی کا سادہ ترجمہ اور یہی نماز روزہ کے مسائل تھے جو معمولی پڑھے لکھے بھی بیان کر دیتے ہیں مگر خدا جانے وہ غیبی تاثیر کیا تھی، جس نے سارے جلسہ کو ساکت و صامت اور مبہوت و سرنگوں بنا رکھا تھا، ہر شخص اس قلبی فیضان سے متاثر تھا، اور مسجد کی دیواریں تک مست و سرشار نظر آتی تھیں۔ حضرت مولانا المولوی رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ نے اس وعظ کی چشم دید کو سالانہ روداد میں مختصر الفاظ کے ساتھ اس طرح بیان فرمایا ہے:

”کہ وعظ کیا تھا؟ گویا سامعین کو مئےِ محبت الہی کے خم کے خم پلا دئے، در و دیوار تک مست تھے اور عجیب کیفیت ظاہر تھی کہ کہیں دیکھی نہ سنی، اللہ اللہ! اس کے خاص بندوں کے سیدھے سادے الفاظ اور سادہ بیان اور ڈھیلی ڈھیلی زبان میں کیا کیا تاثیرات ہیں کہ بشر کیا شجر و حجر بھی مان جائے۔ مولانا نے کوئی دقیق مضامین علمیہ بیان نہیں کئے، یہی نماز اور وضو کے مسائل بیان کئے اور اخلاص کے بیان میں کسی تقریب سے ایک دفعہ باواز بلند اللہ کہا، معلوم نہیں کہ کس دل اور کیسے سوز و گداز سے ”اللہ کا نام لیا کہ تمام مجلس وعظ کوٹ گئی، اور آہ وزاری سے مسجد گونج اٹھی۔ ہر شخص اپنے حال میں مبتلا تھا اس وقت بعض اشخاص نے مولوی صاحب کو دیکھا کہ کمال وقار سے منبر پر خاموش بیٹھے ہیں اور اہل مجلس کی طرف متوجہ ہیں، یقین ہوتا ہے کہ اگر مولوی صاحب ایسے متوجہ نہ ہوتے تو اہل مجلس کو دیر تک افاقہ نہ ہوتا، مگر اللہ رے حوصلہ کہ خود ویسے ہی مستقل رہے۔

ع : سینہ میں قلمزم کو لئے قطرہ کا قطرہ ہی رہا۔

مولانا عاشق الہی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”اس جلسہ کا حظ وافر انہیں سے پوچھنا چاہئے جن کی خوش نصیب آنکھوں نے یہ حیرت خیز سماں دیکھا اور درد انگیز وعظ سنا تھا۔ یہ بات مشہور ہے کہ حضرت امام ربانی نے جس وقت حق جل شانہ کا نام مبارک لیا ہے، چھوٹا بڑا ہر شخص اس سے متاثر تھا، اکثر پر رقت طاری تھی اور گریہ و بکا کا ہجوم تھا کہ بے اختیار تڑپنا چاہتے، بلکہ بعض تڑپتے اور لوٹتے تھے، قلب پر کیفیت سب کے طاری تھی اور سب کسی کو معلوم نہ تھا کہ کس مضمون پر یہ بے اختیار ہویدا ہوئی ہے؟ سنا ہے کہ وعظ سے قبل مجمع میں واعظین کی تقاریر اور تاثرات کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ بعض وعظ کہنے والے بیان و تقریر کا اس درجہ ملکہ رکھتے ہیں کہ حاضرین کا ہنسا دینا

اور رلا دینا گویا ان کے اختیار میں ہے کہ جب چاہنا دیا اور جس وقت رنگ بدلنا چاہا رلا دیا۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ گفتگو سنی اور بات ٹالنے کے لئے یوں ارشاد فرما کر خاموش ہو گئے کہ ”اللہ کے بندوں کے نزدیک یہ کوئی چیز نہیں گنی جاتی۔ رلا نا اور ہنسا نا بات ہی کیا ہے اخلاص کے ساتھ اللہ کا نام بھی نکلے تو اس پر مخلوق رونے لگے، چناں چہ چند ہی ساعات کے بعد وعظ میں وہ مضمون جو علم الیقین تھا عین الیقین بن گیا، اور کئی ہزار مخلوق نے اخلاص و صدق کی ماہیت اور کیفیت سے آگاہی حاصل کر لی۔ (تذکرۃ الرشید، ۲۵۰، ۲۵۱)

## از دل خیزد، بردل ریزد

وعظ و نصیحت کی یہ غیر معمولی تاثیر حقیقی تو اضع اور اخلاص کے بغیر پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کا مقولہ ہے کہ ”دل سے نکلنے والی بات ہی دل کو نفع پہنچاتی ہے۔ (العلم والاعلماء، ۲۸۳)

آج ہماری تقریروں اور مواعظ کے بے اثر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم میں سچی مقبولیت کی یہ دونوں صفات: اخلاص اور تواضع عنقا ہوتی چلی جا رہی ہیں اور شہرت پسندی، دوسرے پر برتری اور دنیوی مفادات کی حرص جیسی خرابیوں نے ہمارے طبقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ کاش ہمیں ان خرابیوں کا احساس ہو سکے۔

## سچی مقبولیت کی پہچان

ہمارے مواعظ اور بیانات اگر عوام کو پسند آنے لگیں اور ہمیں بار بار جلسوں میں بلایا جانے لگے اور لوگ آ کر خوشامد کرنے لگیں تو خیال ہوتا ہے کہ ہم مقبول ہو گئے ہیں حالانکہ یہ ”سطحی عوامی مقبولیت“ اللہ رب العزت کے نزدیک مقبولیت کی علامت نہیں ہے۔ دنیا میں اس سے کہیں زیادہ عوامی مقبولیت ڈائلاگ دکھانے والے فلمی اداکاروں اور کھلاڑیوں کی ہوتی ہے، مقبولیت وہی معتبر اور مبارک ہے جو پہلے اللہ کے نیک بندوں کی زبانوں اور دلوں میں پیدا ہو اور ان کے بعد عوام تک پہنچے۔

حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہ ارشاد فرماتے تھے کہ: ”قبول عام کی دو صورتیں ہیں: ایک وہ قبول جو خواص سے لے کر عوام تک پہنچے اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع ہو اور اس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے۔ پہلا قبول علامتِ مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا، کیوں کہ حدیث میں جو مضمون علامتِ مقبولیت کا آیا ہے وہ یہ ہے کہ اول بندہ سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں پھر وہ ملاءِ اعلیٰ کو محبت کا حکم دیتے ہیں، اور ملاءِ اعلیٰ اپنے سے نیچے والوں کو، یہاں تک کہ وہ حکمِ اہل دنیا تک آتا ہے، اور جو ترتیب ملاءِ اعلیٰ میں تھی اسی ترتیب سے اس کی محبت دنیا میں پھیلتی ہے، کہ پہلے اس سے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے، اس کے بعد دوسروں کو، پس جو مقبولیت اس کے برعکس ہوگی اور وہ دلیلِ مقبولیت نہ ہوگی۔ (ارواحِ ثلاثہ ۱۵۱)

اس لئے ہمیں محض عوامی واہ واہ سے دھوکہ میں نہ پڑنا چاہئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: ”خبردار! تم میں سے کسی کو اپنے ارد گرد جمع ہونے والی بھیڑ فریب میں مبتلا نہ کرے“۔ (کتاب الزہد ۲۹۲)

یعنی یہ چیز مقبولیت کی دلیل نہیں ہے۔ ایسے موقع پر اگر نفس میں بڑائی کا خیال بھی آئے تو یہ غور کرنا چاہئے کہ یہ بے چارے عوام اگر ہمارے علم کے معترف ہیں تو اس کا حال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ذرا سادماغ چلا دے تو ساری علمی موشگافیاں دھری کی دھری رہ جائیں۔ اور اگر یہ لوگ ہماری چرب زبانی اور لسانی کے قائل ہیں تو بحکم خداوندی اگر یہ زبانِ لقاہ کی زد میں آجائے تو سارا بھرم ہی جاتا رہے۔ یہی معاملہ اور دوسرے کمالات کا ہے جن پر انسان عجب اور غرور میں مبتلا رہتا ہے، ان کے وجود اور بقاء کا مدار صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے منشاء اور مرضی پر ہے، تو ان پر حقیقی تعریف کے کیا معنی؟ یہ تو سب محض فضلِ خداوندی ہے جس پر اترانے اور غرور کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

## حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بعض ارشادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بارہا قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ: ”میں اپنے آپ کو کسی مسلمان سے حتیٰ کہ ان مسلمانوں سے بھی جن کو لوگ فساق و فجار کہتے ہیں فی الحال، اور

کفار سے بھی احتمالی الممال، افضل نہیں سمجھتا، اور آخرت میں درجات حاصل کرنے کا کبھی مجھے وسوسہ نہیں ہوتا، کیونکہ درجات تو بڑے لوگوں کو حاصل ہوں گے۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات ۷۶ اصلاحی خطبات ۲۰۶/۲)

اور ایک موقع پر حضرت نے ارشاد فرمایا: ”مجھ میں تو سراسر عیوب ہی عیوب بھرے پڑے ہیں میری اگر کوئی برائی کرتا ہے تو یقین جانئے مجھے کبھی بھی وسوسہ نہیں ہوتا کہ میں برائی کا مستحق نہیں، بلکہ اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں بھلا کون سی تعریف کے لائق بات ہے جو اس کا یہ خیال ہے، اس کو دھوکا ہوا ہے، حق تعالیٰ نے ستاری فرمائی ہے کہ میرے عیوب کو پوشیدہ رکھا ہے، اس لئے مجھے کسی کا برا کہنا مطلق برا نہیں ہوتا، اور اگر کوئی میری برائی کرتا ہے تو اسی وقت دس عیب سامنے آجاتے ہیں، برا بھلا کہنے والے کو عدم واقفیت کی وجہ سے معذور سمجھتا ہوں اور دعاء کرتا ہوں کہ اے اللہ! میری وجہ سے اپنی کسی مخلوق پر مؤاخذہ نہ کیجئے، جو کچھ کسی نے میرے ساتھ برائی کی ہو یا آئندہ کرے وہ سب میں نے دل سے معاف کی، اگر میری وجہ سے کسی کو عذاب ہوگا تو اس سے مجھے کیا فائدہ؟“۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات ۸۲)

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ کی مجلس میں علماء کے کبر و تواضع پر بحث ہو رہی تھی کہ ایک عالم آخر کیسے اپنے آپ کو جاہل سے کمتر سمجھ سکتا ہے؟ کیونکہ جب اس نے علم پڑھا ہے تو یہ کیسے سمجھے کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں؟ تو حضرت حکیم الامتؒ نے نہایت جامع جواب ارشاد فرمایا کہ: ”کسی کمال کے سبب اکمل سمجھنا تو جائز ہے، لیکن افضل بمعنی مقبول سمجھنا جائز نہیں، پس یہ سمجھنا کہ میں عالم ہوں کوئی حرج نہیں، مگر اس پر اپنے آپ کو مقبول عند اللہ سمجھنا یہ بڑا خطرناک ہے، پس یہ سمجھے کہ ممکن ہے کہ باوجود اس کے جاہل ہونے کے اس میں کوئی ایسی خوبی ہو جس سے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے، اور ہم گو بڑے عالم ہوں مگر ہم میں کوئی ایسی برائی ہو جس سے ہم ان کو پسند نہ آئیں پھر ہم کس کام کے؟“۔ (حوالہ بالا ۹۰)

ایک موقع پر حضرت حکیم الامتؒ نے یہ قیمتی مضمون ارشاد فرمایا کہ: ”بڑا بننے کا طریقہ یہ

ہے کہ چھوٹا بنے پھر خود بخود اس میں اثر ہے کہ بڑا بن جائے گا، اسی واسطے سلاطین و مشائخ کی ہزاروں حکایتیں ہیں کہ انھوں نے تواضع اختیار کی اس سے ان کو بڑائی حاصل ہوئی۔ (حوالہ بالا ۱۰۹)

## حضرت مدنیؒ کا منہ پر تعریف کرنے پر نکیر کرنا

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ ایک مرتبہ قصبہ ”سیوہارہ“ میں تشریف لے گئے وہاں شاہی مسجد میں جمعہ کے بعد حضرت کی تقریر کا پروگرام تھا، تقریر سے قبل ایک صاحب نے آپ کی شان میں ایک نظم پڑھنی شروع کی، ابھی چند ہی اشعار ہوئے تھے کہ حضرت مدنیؒ یکتا کھڑے ہو گئے اور ان صاحب کو نظم پڑھنے سے روک دیا، اور تقریر شروع فرمادی اور آیات و احادیث طیبہ کی روشنی میں خود ستائی، شخصیت پرستی اور منہ پر تعریف کرنے کی کھل کر مذمت فرمائی اور دوران تقریر یہ ارشاد فرمایا کہ: ”میں کسی سے اپنی تعریف سنتا ہوں تو سخت رنج ہوتا ہے، کہ لوگ اسوہ نبی اور سیرت صحابہ ﷺ کو بھول گئے، وہاں نیت میں خلوص تھا یہاں تعریف ہے، وہاں عمل تھا یہاں صرف قول اور مدح و ستائش ہے“۔ (حیرت انگیز واقعات ۷۸)

حضرت شیخ الاسلام کی زندگی کا یہ کوئی ایک واقعہ نہیں بلکہ اس دور میں جب کہ قائدین ملت باقاعدہ اپنے استقبال کے خود کو کشاں رہتے تھے اور قومی اجتماعات میں اپنے لیڈروں کے لئے منقبتی نظمیوں پڑھنے کا رواج عام تھا حضرت مدنیؒ اپنی تعریف پر غصہ میں آجاتے اور اس عمل پر سخت ناگواری کا اظہار فرماتے تھے آپ پوری زندگی اپنے آپ کو نہ صرف ننگ اسلاف لکھتے رہے بل کہ دل کی گہرائیوں سے آپ اس پر یقین بھی کرتے رہے، درحقیقت اسی تواضع اور انکساری نے آپ کو محبوب خلأق بنا دیا تھا، اور آپ سے سیاسی اختلاف رکھنے والے لوگ بھی آپ کے بلند اخلاق کے گرویدہ اور معترف تھے۔

## فقہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی بے نفسی

فقہ الامت حضرت الاستاذ الاعظم مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ واقعی اس آخری



دور میں اکابر کی نسبتوں کے جامع اور مرجع خواص و عوام تھے، اور آج جن کا فیض محسوس طور پر پورے برصغیر میں پھیلا ہوا ہے، اس بے مثال مقبولیت میں آپ کی عظیم تواضع و فنائیت کا بھی بڑا دخل تھا، علمی اور فقہی جلالِ شان کے باوجود آپ کی کسی نقل و حرکت سے کبر کا شائبہ بھی محسوس نہ ہوتا تھا، آپ کی مجلس میں بلا امتیاز ہر شخص کو شرکت کی اجازت تھی، اور آپ ہر شخص سے ایک ہی انداز میں گفتگو فرماتے تھے، کسی مسئلہ کے بارے میں اگر علم نہ ہوتا تو بلا تکلف فرمادیتے کہ مجھے علم نہیں، مجھے تحقیق نہیں، تعریف اور مدح سرائی سے آپ کو سخت اذیت ہوتی اور گم نامی اور گوشہ نشینی کو پسند فرماتے تھے، دنیا نے دیکھا کہ جتنا آپ نے اپنے آپ کو فنا کیا اتنا ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو سر بلندی اور عزت و احترام سے سرفراز کیا، اور بڑے بڑے علماء، دانشور، اور ارباب ثروت کی گردنیں آپ کے اعزاز میں خم ہو گئیں۔

## تصنیفات کے بارے میں اکابر کا طرز عمل

اللہ والوں کی تواضع کا اثر ان کی تصنیفات و تالیفات میں بھی نمایاں نظر آتا ہے، یہ حضرات اپنی تحریرات کو ربیاء و نمود اور عزت و افتخار کا ذریعہ نہیں بناتے بل کہ صرف دینی نفع اور علمی افادہ کے پیش نظر تصنیفی خدمات دیتے ہیں۔ وہ اپنی تحریرات اور مضامین پر تعریف کے متمنی نہیں رہتے بل کہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دین کے لئے کتنا مفید بنانے کی توفیق دی ہے۔ اسی بنا پر اگر کوئی شخص ان کی تصانیف پر معقول انداز میں کوئی اشکال کرتا ہے تو وہ اس کے خلاف مخالفت کا طوفان کھڑا نہیں کرتے بل کہ یا تو معترض کو مطمئن کرتے ہیں یا اپنی غلطی تسلیم کر کے مضمون کی تصحیح کرتے ہیں اور کسی مصنف کا برسِ عام اپنی غلطی سے رجوع کر لینا واقعی اس کی غایت تواضع اور کمال علم کی دلیل تسلیم کی جاتی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ”ترجیح الراجح“ کے عنوان سے اپنے بے شمار مضامین اور فتاویٰ سے علی الاعلان رجوع فرمایا، اور اس میں کبھی اپنی عار محسوس نہ فرمائی۔ ہمیں بھی اس معاملہ میں انہی مقبول بندگانِ خدا کا اسوہ اپنانا چاہئے، موجودہ دور کے مشہور عالم اور محقق حضرت

مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم ومدت فیوضہم اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آپ کو اپنے کسی علمی کارنامے پر کوئی ناز پیدا ہونے کا تو سوال ہی نہیں تھا، اپنی بڑی سے بڑی خدمت کو ہیچ سمجھتے رہے، انسان کو عام طور سے اپنی تحریروں اور اپنے لکھے ہوئے مضامین سے ایک انس پیدا ہو جاتا ہے، چنانچہ مصنفین میں عام طور سے یہ شوق پایا جاتا ہے کہ ان کی تالیفات کا تذکرہ کیا جائے، انہیں سراہا جائے۔ بہت سے مصنفین کی محفلیں اپنی تصانیف ہی کے ذکر اور ان کی تعریفوں سے لبریز ہوتی ہیں، بعض لوگ جا بجا اپنی تالیفات کے حوالے دے کر ان کے اقتباسات لوگوں کو سناتے رہتے ہیں، کبھی کسی میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ کرنے کا اصل کام وہی تھا جو اس نے انجام دے دیا۔ حضرت والد صاحب قدس سرہ کے یہاں اس قسم کی باتوں کا نہ صرف یہ کہ کوئی سوال نہیں تھا بل کہ آپ کو اس قسم کے ہر طرز عمل سے سخت کراہت تھی۔ آپ بڑے سے بڑا تالیفی کام کر گزرنے کے باوجود اسی فکر میں رہتے کہ نہ جانے اس کا حق ادا ہوا یا نہیں؟ محض لوگوں کی تعریف سے آپ کو خوشی حاصل نہ ہوتی، ہاں اگر کسی جگہ سے یہ اطلاع ملتی کہ فلاں کتاب سے فلاں شخص کو کوئی عملی فائدہ پہنچا ہے، اس کی زندگی میں تبدیلی آئی ہے یا اس کے نظریات بدلے ہیں تو آپ بہت خوش ہوتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور اس خدمت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کی دعاء فرماتے، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم خیال لوگوں سے کچھ داد وصول ہوگئی تو کیا فائدہ؟ اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے کتاب لکھی گئی تھی اس سے فائدہ پہنچایا نہیں؟“۔ (میرے والد میرے شیخ ۱۳۵)

یہ ہے نظریہ! اس شخصیت کا جس کی تفسیر ”معارف القرآن“ اردو زبان کی سب سے مقبول

ترین تفسیر ہے، اور جس کے علمی اور فقہی نوادرات سے آج دینی کتب خانے روشن اور منور ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ہم خود اپنا جائزہ لیں کہ جہاں اللہ نے دو ایک کتاب تالیف کرنے کی توفیق دی بس اپنے کو اکابر مصنفین کے زمرہ میں شمار کرنے لگتے ہیں اور متمنی رہتے ہیں کہ ہماری کتاب کی خوب خوب تعریف ہو، اور اس سے ہماری علمیت کا سکہ قائم ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ اور اصل بات ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے کہ کتاب سے دینی فائدہ کتنا پہنچا؟ اور کتنے لوگ اس سے فیض یاب ہوئے، اللہ تعالیٰ ہمیں واقعہ بڑوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

## نقد خوش خبری

اگر ہم اللہ تعالیٰ کی رضا پیش نظر رکھیں گے اور جذبہ تواضع کی پاس داری کریں گے تو اللہ تعالیٰ خود ہی ہمیں محبوبیت کا مقام عطا کر دے گا جو واقعی پائے دار اور پر اثر ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ایک شخص محض اللہ کی رضا کے لئے کوئی کام کرتا ہے پھر اس سے لوگ محبت بھی کرنے لگتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تلک عاجل بشری المؤمن ”یہ (لوگوں میں محبوبیت) مؤمن کے لئے نقد خوش خبری ہے۔ (کتاب الزہد، ۲۵۰)

یعنی اسے مخلصانہ عمل کا اجر جزیل تو آخرت میں ملے گا ہی، تاہم لوگوں کی زبانوں پر اس کی خواہش کے بغیر اس کی تعریف آجانا یہ وہ نقد نعمت ہے جو اسے دنیا میں عطا کر دی گئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ”کیا میں تمہیں اہل جنت اور اہل دوزخ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ جنتی وہ ہے جس کی اچھائیوں کی لوگ تعریف کرتے ہوں اور وہ انہیں سنتا ہو، اور جہنمی وہ ہے جس کی برائیاں اور بد اخلاقیوں کی زبان زد ہوں اور وہ انہیں سنتا رہتا ہو“۔ (کتاب الزہد، ۱۵۴)

## تہمت کی جگہ سے بچیں

اس لئے ہمیں چاہئے کہ لوگوں کی تعریفوں کو ہرگز مقصود نہ بنائیں لیکن ایسا کام بھی نہ کریں

جس سے خواہ مخواہ لوگوں کی زبانیں ہمارے بارے میں کھلنے لگیں اور انگلیاں اٹھائی جانے لگیں۔ اس لئے کہ لوگوں کے درمیان اعتماد اور بھروسہ باقی رہنا ایک عظیم نعمت ہے، جو ایک مرتبہ مجروح ہونے کے بعد دوبارہ اس درجہ کی ملنی بہت مشکل ہوتی ہے۔ اسی بناء پر تہمت کی جگہ سے بہت دور رہنے کی تلقین کی گئی ہے، اور خاص کر جو شخص دین کی دعوت کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہو اور اصلاح معاشرہ کی تحریک کا علم بردار ہو، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عظیم خدمت کی انجام دہی پر مامور ہو، اسے اپنا دامن ناجائز توکجا، خلاف اولیٰ اعمال و اقوال اور حرکات و سکنات سے بھی پوری طرح سے بچا کر رکھنا چاہئے تاکہ وہ دہرے معیار پر عمل کرنے کا ملزم قرار نہ دیا جاسکے، اس لئے کہ یہی دوہرا معیار اور قول و فعل کا تضاد آج ہمارے لئے ایک بدترین رستا ہوا ناسور بن گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس بیماری سے ہمیں نجات عطا فرمائے، آمین۔

## ملی تنظیمیں مقبول کیوں نہیں؟

آج مسلمانوں کی ملی تنظیمیں ہر وقت اس فکر میں رہتی ہیں کہ انہیں عوامی مقبولیت کیسے حاصل ہو؟ چنانچہ اسی غرض سے بڑے بڑے اجلاس ہوتے ہیں اپنی ”طویل و عریض“ کارگزاریاں شائع کی جاتی ہیں اور قدیم و جدید ”خدمات عالیہ“ کی قصیدہ خوانی ہوتی ہے، بل کہ بسا اوقات انہی رپورٹوں اور تشہیرات کو منہبائے مقصود اور کامیابی کا مدار سمجھ لیا جاتا ہے، چنانچہ اگر کسی پروگرام میں بڑا مجمع اکٹھا ہو جائے اور اخبارات اور ذرائع ابلاغ میں اس کی اچھی رپورٹیں آجائیں تو ہماری خوشی کا ٹھکانا نہیں رہتا، بڑے فخر سے کہا جاتا ہے کہ ”ہمارے پروگرام کو ذرائع ابلاغ اور میڈیا اور قومی پریس نے نہایت اہتمام سے ”کور“ کیا ہے“۔ گویا یہی ہمارے لئے سب سے بڑی معراج ہے، بھلے سے اجتماع میں مسلمانوں کے حق میں کوئی ٹھوس نفع بخش پہلو سامنے نہ آیا ہو، مگر ”میڈیا کی نوازش“ ہی ہمیں مطمئن کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے، اور اس مقصد کے حصول کے لئے نہ جانے کتنے پاپڑ نیلے جاتے ہیں، اخبار والوں کی خوشامدیں کی جاتی ہیں، ان پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اور موقع ہو تو خلاف شریعت اور ناجائز ذرائع بھی استعمال کئے جاتے ہیں

مگر ان سب تشہیرات کے باوجود نتیجہ صفر رہتا ہے یہ چیزیں عوام کے دلوں کو اپیل نہیں کرتیں۔

## پیغمبر علیہ السلام کا اہم اعلان

وقتی طور پر پروگراموں کا چرچا ضرور ہو جاتا ہے مگر جسے دلی مقبولیت کہا جاتا ہے وہ ان ”مکڑی کے جالوں“ سے کبھی بھی حاصل نہیں ہو پاتی۔ بل کہ مزید بدگمانیاں بڑھ جاتی ہیں بار بار اپنی آنکھوں سے اس کا تجربہ ہو چکا ہے، اور جتنی بار تجربہ ہوگا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاک ارشاد کی تصدیق ہوتی جائے گی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ أَسْخَطَ اللَّهَ فِي رِضَا النَّاسِ  
سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَأَسْخَطَ عَلَيْهِ  
مَنْ أَرْضَاهُ فِي سُخْطِهِ، وَمَنْ أَرْضَى  
اللَّهَ فِي سُخْطِ النَّاسِ رَضِيَ اللَّهُ  
عَنْهُ، وَأَرْضَى عَلَيْهِ مَنْ أَسْخَطَهُ  
فِي رِضَاهُ، حَتَّى يُزَيِّنَهُ وَيُزَيِّنَ قَوْلَهُ  
وَعَمَلَهُ فِي عَيْنَيْهِ.

جو شخص لوگوں کی خوشنودی کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دے، تو اللہ تعالیٰ خود بھی ناراض ہوں گے اور اسے جس نے خوش کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کیا اسے بھی ناراض کر دیں گے، اور اس کے برخلاف جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کرے تو نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے بلکہ جو شخص اس سے ناراض ہے اسی بھی اس سے خوش کر دیں گے اور اس کی نظر میں اس کے اقوال و اعمال مزین فرما دیں گے۔

(الترغیب والترہیب ۱۳/۱۳۹)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ طَلَبَ مَحَامِدَ النَّاسِ بِمَعَاصِي  
اللَّهِ عَادَ حَامِدَهُ لَهُ ذَامًا.

جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرے گا انجام کار اس کی تعریف کرنے والا بھی اس کی برائی پر اتر آئے گا۔

(الترغیب والترہیب ۱۳/۱۳۹)

اس لئے یہ ملی تنظیمیں اگر قیامت کی صبح تک بھی محض ذرائع ابلاغ کی تشہیر کو اپنی مقبولیت کا مدار سمجھتی رہیں گی تو بھی انہیں مقبولیت حاصل نہ ہو سکے گی، مسلم تنظیموں کو اگر واقعی مقبولیت چاہئے تو

شریعت کے دائرے میں رہ کر ملت کی اتنی خدمت کرنی ہوگی کہ بغیر کسی کے کہے خود بخود لوگوں کی زبانوں پر ان کے کارنامے آنے لگیں، جماعت کا اصل تعارف اس کے کام سے ہوتا ہے، کام کچھ بھی نہ ہو اور نام کے لئے ہزاروں کوششیں کر لی جائیں تو وہ سب فضول ثابت ہوتی ہیں اور ہوتی رہی ہیں۔

مسلم تنظیموں کے ذمہ داران کو اپنے ہر عمل میں شریعت کی پاس داری اور رضاء خداوندی پیش نظر رکھنی لازم ہے، دنیوی رسومات اور طور طریقوں سے مرعوب ہونے کے بجائے پوری قوت اور مضبوطی کے ساتھ شریعت کا دامن تھامے رکھنے میں ہی عافیت اور نجات ہے، اور ان امور میں کوتاہی میں سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔

## بین الجماعتی حسدروا نہیں

ہماری تنظیموں کے مقبول اور مؤثر نہ ہونے کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ اب ہم دینی فائدہ سے زیادہ محض اپنی جماعت کا مفاد پیش نظر رکھتے ہیں، اور اللہ معاف کرے ہماری جدوجہد دین کی سر بلندی اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے کم، دوسری جماعت کے مقابلہ کے لئے زیادہ ہوتی ہے، اور ہر وقت ہم اس ادھیڑ بن میں رہتے ہیں کہ فلاں جماعت کہیں ”فلاں کارنامہ“ کا کریڈٹ نہ حاصل کر لے، اور اس صورت حال نے اب بڑھ کر ”بین الجماعتی حسد“ کی صورت اختیار کر لی ہے، جس کی وجہ سے دینی محاذ پر آپسی تعاون کی راہیں مسدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ ایک جماعت دوسری تنظیم کو کام کرتے دیکھنا تک گوارا نہیں کرتی، اور کوئی نیا کام شروع بھی کیا جاتا ہے تو اولین مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے مقابل جماعت کو زک پہنچائی جاسکے، خواہ اس سے دینی نفع ہو یا نہ ہو جماعت کی برتری ضرور ہونی چاہئے، یہ تقابل اور مقابلہ کے جذبات ہی ہماری جماعتوں کو گھن کی طرح اندر اندر رکھ کھلا کر رہے ہیں، اور جماعتوں کا وقار برابر مجروح ہو رہا ہے۔ اس لئے ہمیں اپنی ڈگر بدلی چاہئے، اور مقابلہ سے بے پروا ہو کر اور وسعت قلبی کے ساتھ تعاون و تناصر کے جذبہ کے ساتھ محض رضائے خداوندی کے لئے کام کرنا چاہئے، ورنہ یہ ساری محنتیں اکارت ہوتی رہیں گی۔ اور یہ ”پرشکوہ جماعتیں“ کا غدی رپورٹوں اور اسٹیل کی الماریوں تک محدود ہو کر رہ جائیں گی اور بس۔

## اپنا امتیاز نہ چاہیں!

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا ذُبَّانَ جَائِعَانَ أُرْسِلَ فِي غَنَمٍ  
بِأَفْسَدِهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى  
النَّمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ.

دو بھوکے حملہ آور بھینٹے بکریوں کے ریوڑ میں  
گھس کر اتنا نقصان نہیں پہنچا پاتے جتنا مال اور  
جاہ کی محبت انسان کے دین کو نقصان پہنچا دیتی

(رواہ الترمذی، الترغیب والترہیب ۸۵/۴) ہے۔

ذرا غور فرمائیں! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو آپ کے جانثار صحابہ ﷺ راستوں میں آپ کے لئے پلکیں بچھا دیتے اور اپنی ہر ادا سے اتنے احترام کا مظاہرہ فرماتے کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہ جاتی اور واقعی انھوں نے اپنی حد تک اس کا مظاہرہ کیا بھی، لیکن اس بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہمیشہ یہ رہا کہ آپ صحابہ ﷺ کے ساتھ امتیازی شان سے گریز کرتے رہے اور اپنے قول و عمل سے امت کے بڑوں کو امتیازی شان اپنانے سے دور رہنے کی تلقین فرماتے رہے، مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کی کھدائی میں آپ بنفس نفیس حضرات صحابہ ﷺ کے شانہ بشانہ شریک رہے، سفر میں تشریف لے جاتے تو دیگر لوگوں کے ساتھ خود بھی ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔

عبداللہ ابن جبیر خزاعی ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ ﷺ کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے، حضرات صحابہ ﷺ نے دھوپ سے بچاؤ کی غرض سے آپ کے اوپر چادر سے سایہ کر دیا آپ نے سایہ محسوس فرما کر سر مبارک اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ چادر سے سایہ کیا گیا ہے، تو آپ نے فرمایا: ”اسے ہٹاؤ! اور خود اپنے دست مبارک سے چادر کھینچ کر نیچے فرمادی، اور ارشاد فرمایا: ”میں بھی تم جیسا ایک انسان ہوں“۔ (مجمع الزوائد ۲۱/۹)

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نفسی

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نفسی کا معمولی سا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا

ہے کہ ایک مرتبہ آپ کھانا نوش فرما رہے تھے، دوسرے لوگ بھی مجلس میں شریک تھے، ایک شخص آیا جو چچک میں مبتلا تھا، اور اس کے زخم پھٹ رہے تھے۔ وہ مجلس میں جہاں بھی بیٹھنے کی کوشش کرتا تو قریب والا شخص اس کے پاس سے الگ ہٹ جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیمار شخص کو اپنے قریب بلایا اور اپنے پہلو میں بٹھا کر اسے کھانا کھلایا۔ (احیاء العلوم ۶/۳۰۶)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی عظیم اخلاق نے آپ کو عالمی محبوب بنا دیا تھا۔

## حضرت سفیان ثوریؒ کا عمل

سفیان ثوریؒ اپنی جلالت شان کے باوجود مجلس میں امتیازی جگہ بیٹھنا پسند نہ فرماتے بل کہ کسی بھی کنارے پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور ہمیشہ پیر سیٹر کر تو موضع سے بیٹھتے۔ (مجلس میں پیر نہ پھیلاتے تھے کہ یہ تکبر کی نشانی ہے) (العلم والعلماء حاشیہ ۳۵۸)

اسی تو موضع کا اثر ہے کہ آج جب سفیان ثوریؒ کا نام لیا جاتا ہے تو ایک عظیم محدث اور صاحب ورع و تقویٰ بزرگ کا تصور ذہن میں ابھر آتا ہے اور دل ان کی عظمت سے سرشار ہو جاتا ہے۔

## ہمارا طرز عمل

اس کے برخلاف آج ہم جب اپنی زندگی پر غور کرتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ مقبولیت دلانے والے ان اخلاق کا پانسنگ بھی ہم میں نہیں پایا جاتا۔ ہماری عین خواہش ہوتی ہے کہ لوگ ہر جگہ ہمارے ساتھ امتیازی معاملہ کریں، حتیٰ کہ بہت سے لوگ تو اشتہار اور دعوت ناموں میں اپنے نام کی ترتیب بدلنے پر بھی جیس جیس ہو جاتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ ہمارا نام بعد میں کیوں لکھا گیا، اور محض اسی بناء پر منتظمین سے پر خاش جمالیتے ہیں۔ اسی طرح جماعتی زندگی میں اگر کوئی رکن ہماری رائے کے خلاف مشورہ دیدے، تو ہماری بھوس تن جاتی ہیں اور دوسری صحیح رائے آنے کے باوجود ہم اپنی بات پر صرف اس لئے اڑے رہتے ہیں کہ کہیں ہماری بات نیچی نہ ہو جائے، اور بعض اوقات اس غلط روی کے نتیجے میں جماعتوں اور اداروں کو سخت نقصان بھگتنا پڑ جاتا ہے۔



## ہٹ دھرمی تکبر کی علامت ہے

یہ ہٹ دھرمی تکبر کی بڑی نشانی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

الْكِبْرُ بَطْرُ الْحَقِّ وَغَمَطُ النَّاسِ .  
 حق کو انکار کر دینے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہی  
 تکبر ہے (رواہ مسلم، مشکاة شریف ۴۳۱/۲)

اس لئے ہمیں اپنی کوتاہیوں پر نظر رکھنی چاہئے اور جب بھی حق بات سامنے آئے تو اسے قبول کرنے سے دریغ نہیں کرنا چاہئے خواہ وہ اپنی ذات سے متعلق ہو یا دوسروں سے اس کا تعلق ہو، ہمارے سلف صالحین ہر وقت اس تلاش میں رہتے تھے کہ اپنی کوئی غلطی ظاہر ہو اور فوراً اس کی اصلاح کی سعی کریں، سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ”میرے نزدیک سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے جو مجھ کو میرے عیوب سے آگاہ کر دے“۔ (العلم والعلماء ۱۶۷)

عمر بن مہاجر جو خلیفہ راشد حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خاص لوگوں میں تھے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے مجھ سے تاکیداً کہہ رکھا تھا کہ ”جب تم مجھے راہ حق سے ذرا بھی ہٹا ہوا دیکھو تو میرا گریبان پکڑنا اور اسے زور سے ہلا کر پوچھنا کہ عمر تو کیا کر رہا ہے؟“۔ (العلم والعلماء ۲۸)

یہ تھے وہ اخلاق فاضلہ جنھوں نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو اتنی مقبولیت عطا کی تھی کہ انسان تو انسان جنگل کے درندے بھی ان کے دور حکومت میں عدل و انصاف پر قائم اور ظلم و جور سے گریزاں تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

## مرض کا احساس کریں

افسوس! آج ہماری زندگیوں ان بزرگوں کے بلند کردار سے عاری ہو چکی ہیں، ظاہری زبانوں پر ان اسلاف کا نام ضرور ہے مگر باطن ان کی پاک سیرت سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اب خود رائی، خود نمائی ہمارا وطیرہ اور دوسروں کی تحقیر ہمارا معمول بن چکی ہے، اور ہم ان خطرناک

امراض سے غافل اور بے خبر ہیں، اور چونکہ مرض کا احساس ہی نہیں اس لئے ان کے ازالہ کی کوشش بھی نہیں کی جاتی اور کبھی دل میں اصلاح کی بات آتی بھی ہے تو اپنے فعل کو صحیح قرار دینے کی اتنی تاویلیں نکل آتی ہیں کہ نعوذ باللہ گناہ کو، ہی عین عبادت سمجھ لیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اصلاح کی امید کیسے رکھی جاسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ واقعی ہماری اصلاح فرمائے، آمین۔





## دوسرے کی عزت نفس کا خیال

مقبولیت کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ انسان دوسرے کی عزت نفس کا خاص خیال رکھے اور اپنے کسی قول و عمل سے دوسرے کی تحقیر اور اذیت پہنچانے کا مرتکب نہ ہو۔ سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ تقریر کے دوران فرمایا کہ: ”کسی آدمی کے ظاہری کروفر کو دیکھ کر اس کے معتقد نہ ہو جاؤ، بلکہ آدمی (لائق تعریف) وہ ہے جو امانت (اللہ اور بندوں کے حقوق) کو ادا کرتا ہو اور لوگوں کی عزتوں پر ہاتھ ڈالنے سے احتراز کرتا ہو“۔ (کتاب الزہد ۲۴۳)

### سب سے زیادہ پسندیدہ لوگ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ لوگ ہیں جو اچھے اخلاق رکھنے والے ہوں، جو تواضع کی وجہ سے گویا لوگوں کے سامنے بچھے جاتے ہیں، جو خود بھی دوسروں سے محبت رکھتے ہیں اور دوسرے بھی ان سے مانوس رہتے ہیں، اور فرمایا کہ: ”میرے نزدیک تم میں سب سے ناپسندیدہ وہ لوگ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں، دوستوں دوستوں میں نفرت کا بیج بوتے ہیں اور شریفوں میں عیب ڈھونڈا کرتے ہیں۔“

إِنَّ أَحَبَّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا  
الْمَوْطُونُ أَكْتَفَاءً، الَّذِينَ يَأْلِفُونَ  
وَيُؤْلَفُونَ وَإِنَّ أَبْغَضَّكُمْ إِلَيَّ  
الْمَشَاوُنُ بِالنَّمِيمَةِ الْمُمْرِقُونَ بَيْنَ  
الْأَجْبَةِ، أَلْمَلْتَمَسُونَ لِلْبَرَاءِ  
الْعَيْبِ. (رواه الطبرانی في الصغير عن

ابی ہریرہ، الترغیب والترہیب ۱/۳۷۶)

ایک روایت میں کسی مسلمان کی عزت پامال کرنے کو بدترین سود قرار دیا گیا ہے۔ (الترغیب

والترہیب ۳۲۶/۳)

## کسی کی دل شکنی نہ کریں

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے ہر مرحلہ پر اس بات کا خاص لحاظ رکھا ہے کہ کسی عمل سے دوسرے کی دل شکنی نہ ہو جائے، اور کسی مسلمان کو ہمارے کسی برتاؤ سے خفت نہ اٹھانی پڑے، اسی وجہ سے آپؐ نے حکم دیا کہ ”لوگوں سے ان کے مرتبہ کے موافق معاملہ کرو“۔ (مسلم شریف ۴۱)

آپؐ نے فرمایا کہ ”جب کسی قوم کا باعزت آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کا اعزاز کرو“۔

(ابن ماجہ شریف ۲۷۲۲)

نیز آپؐ نے ہدایت دی کہ ”جب کوئی شخص دوسری مسجد میں جائے تو وہاں کے مقررہ امام کی اجازت کے بغیر وہاں امامت نہ کرے، اور جب کسی کے گھر جائے تو مالک مکان کی مخصوص بیٹھنے کی جگہ (کرسی یا مسند خاص) پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے“۔ (مشکوٰۃ شریف ۱۰۰۱)

اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ ”جو اذن دے اسی کو اقامت کہنے کا حق ہے“۔ (ترمذی شریف ۵۰۱)

کیوں کہ ان باتوں کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے فطری طور پر دوسرے کو ناگواری ہوتی ہے، اور خواہ مخواہ دلوں میں نفرت کی آب یاری ہونے لگتی ہے۔

## حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کا امام مالکؓ کے ساتھ معاملہ

تجی ابن تجی اندلسیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم اپنے استاذ حضرت امام مالکؓ کی مجلس میں حاضر تھے کہ حضرت عبداللہ ابن المبارکؓ نے حاضری کی اجازت چاہی، امام مالکؓ نے اجازت دے دی، اور جب ابن المبارکؓ تشریف لائے تو آپؓ باوجود یکہ بڑے سے بڑے آدمی کے لئے اپنی جگہ سے نہیں اٹھتے تھے، حضرت عبداللہ ابن المبارکؓ کے اعزاز میں کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنی مسند پر اپنے پہلو میں لاکر بٹھایا، پھر ایک طالب علم نے حدیث کی عبارت پڑھنی شروع کی، تو کبھی دورانِ درس امام مالکؓ کسی حدیث کے بارے میں عبداللہ ابن المبارکؓ سے پوچھتے کہ تمہارے

پاس اس کے متعلق کیا علم ہے؟ تو حضرت عبداللہ ابن المبارکؓ امام مالکؒ کے ادب اور آپ کی عزت کا خیال کرتے ہوئے ان کے استفسار کا جواب طلبہ کے سامنے بلند آواز سے نہ دیتے بل کہ آہستہ سے امام مالکؒ کو بتا دیتے تھے (تاکہ حاضرین پر امام مالکؒ کے سامنے ابن المبارکؒ کی بڑائی نہ ظاہر ہو) جب ابن المبارکؒ اجازت لے کر واپس تشریف لے گئے اور امام مالکؒ کو آپ کا کمال ادب بہت اچھا معلوم ہوا، تو آپ نے ہم شاگردوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”انھیں جانتے ہو؟ یہی خراسان کے فقیہ عبداللہ ابن المبارکؒ ہیں“۔ (مقدمہ کتاب الزہد ۴۳)

دیکھئے عبداللہ ابن المبارکؒ نے امام مالکؒ کی عزت کا کتنا خیال رکھا کہ کہیں ان کی احادیث اور علم کو دیکھ کر امام مالکؒ کے شاگردوں کی نظر میں استاذ کا رتبہ کچھ کم نہ ہو جائے۔

## اپنے گریبان میں جھانکیں

آج ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کیا ہم بھی اپنے بھائیوں اور ہم عصروں کی عزت کا اسی طرح خیال کرتے ہیں؟ ہمارا تو بس چلے تو ہم اپنے مقابلہ میں کسی کو عزت دار نہ رہنے دیں۔ ہم اپنے معمولی سے معمولی کام کی دوسروں سے تعریف چاہتے ہیں اور دوسرے کے بڑے سے بڑے کارنامہ کو خود اس انداز میں پیش کرتے ہیں گویا وہ کوئی کام ہی نہ ہو، حتیٰ کہ اپنے سامنے کسی دوسرے کی تعریف بھی اچھی نہیں لگتی۔ اگر دوسرے کی تعریف ہمارے سامنے آتی ہے تو فوراً مدوح کی زندگی کا وہ پہلو سامنے کر دیتے ہیں جس سے اس کا وقار اور مرتبہ سننے والوں کی نظر میں گھٹ جائے، الامان والحفیظ۔

## ماتحتوں کے ساتھ برتاؤ کیسا ہو؟

اسی طرح اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہمارا برتاؤ ایسا ہوتا ہے گویا وہ ہمارے بیگاری غلام ہوں، برسر مجلس ان کے ساتھ تمسخر اور تذلیل کا معاملہ کیا جاتا ہے جس سے دلوں میں کینہ اور بغض کی پرورش ہوتی ہے، اور بدگمانیوں کا طوفان کھڑا ہو جاتا ہے۔ جو کبھی آتش جوالہ بن کر حکومتوں تک کو زیر و زبر کر کے چھوڑتا ہے، وہ حکمراں جو اپنی رعایا اور ماتحتوں کی عزت نفس کا خیال نہ کرے اسے

کبھی بھی اپنی رعایا سے عزت کی توقع نہ رکھنی چاہئے، اور ایسا حاکم کبھی بھی دلوں پر حکومت نہیں کر سکتا اور نہ مقبولیت کے درجہ پر فائز ہو سکتا ہے، ہم جیسا معاملہ دوسروں کے ساتھ کریں گے دوسرے بھی ویسا ہی معاملہ ہمارے ساتھ کریں گے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی اپنی جگہ عزت رکھتا ہے اور لوگوں کے سامنے رسوائی سے اپنے آپ کو بچاتا ہے، اور بسا اوقات یہ رسوائی غیرت مند آدمی کے لئے مال و دولت اور ملازمت چھن جانے سے زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے۔ اس لئے شریعت میں دوسروں حتیٰ کہ غلاموں کی تذلیل سے بھی منع کیا گیا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ جس طرح ہم خود اپنی عزت دوسروں سے چاہتے ہیں اسی طرح دوسروں کو بھی اپنی طرف سے عزت دینے کی کوشش کریں، محبوبیت اور مقبولیت کا راستہ یہی ہے، جس کے بغیر مقبولیت کی تمنا سراسر فریب ہے۔





## عفو و درگزر

عفو و درگزر، اور حلم و بردباری بھی مقبولیت کی صفات میں نمایاں مقام کی حامل ہیں۔ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا. اللہ تعالیٰ عفو و درگزر سے انسان کی عزت اور سر بلندی میں اضافہ ہی فرماتا ہے۔ (رواہ مسلم، الترغیب والترہیب ۱۳/ ۳۵۰)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے بل کہ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ (شمائل ترمذی شریف ۲۳)

سیدنا حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے دس سال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل کیا، لیکن اس پورے عرصہ میں کبھی آپ نے مجھے ”اُف“ تک نہیں کہا، اور نہ میرے کسی کئے ہوئے کام پر یہ کہا کہ ”یہ تم نے کیوں کیا؟“ اور نہ کبھی میرے نہ کئے ہوئے کام پر یہ پوچھا کہ ”یہ تم نے کیوں نہیں کیا؟“ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق والے تھے۔ (شمائل ترمذی ۲۳)

## سیدنا حضرت زین العابدینؑ کا حیرت انگیز واقعہ

خانوادہ نبوت کے چشم و چراغ سیدنا حضرت علی ابن حسین علی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ جن کی مقبولیت و محبوبیت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ولی عہد ہشام ابن عبد الملک حج کے موقع پر مکہ مکرمہ

گیا اور بھیڑ کی وجہ سے کوشش کے باوجود اسے حجر اسود کے بوسہ کا موقع نہ مل سکا، ابھی وہ مطاف ہی میں تھا کہ ”حضرت زین العابدینؑ“ تشریف لائے تو فوراً لوگوں نے ان کے لئے راستہ خالی کر دیا اور انہوں نے اطمینان کے ساتھ حجر اسود کی تقبیل کا شرف حاصل کیا، یہ منظر دیکھ کر کچھ لوگوں نے ہشام سے پوچھا کہ ”یہ کون ہے؟“ ہشام نے لاعلمی ظاہر کی، تو فرزدق شاعر نے جواب دیا کہ: ”میں انہیں جانتا ہوں یہ حضرت علی ابن حسین زین العابدینؑ ہیں جن سے سرزمین عرب کا چپہ چپہ واقف ہے“، اور آپ کی مدح میں ایک نہایت عمدہ قصیدہ پڑھا۔ انہی حضرت زین العابدینؑ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس کچھ مہمان آئے ہوئے تھے، ان کی ضیافت کے لئے آپ نے غلام کو حکم دیا کہ گھر کے تنور میں جو گوشت بھن رہا ہے وہ جلدی پیش کرے، غلام گیا اور بھنے ہوئے گرم کباب سیخ سمیت لانے لگا، اتفاق سے جلد بازی میں وہ گرم سیخ غلام کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے کی منزل میں حضرت زین العابدینؑ کے کسی چھوٹے بچے کو جا کر لگی، جس کے زخم کی تاب نہ لا کر وہ بچہ اسی وقت واصل بحق ہو گیا، حضرت زین العابدینؑ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے غلام کو ڈانٹا نہ پھٹکارا، بلکہ اس پر مزید احسان فرماتے ہوئے کہا: ”جا تو آزاد ہے، تو نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا“، اس کے بعد بچے کی تجہیز و تکفین میں لگ گئے۔ (علم والعلماء ۵۷۷)

اس کے برخلاف آج ہمارا رویہ اپنے خادموں اور ماتحتوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ خود ہی غور کر لیں! ذرا سا نقصان بے خیالی میں خادم کے ہاتھ سے ہو جائے بس اس کی خیر نہیں، نہ جانے کتنے دنوں تک ایک ایک نقصان اور غلطی پر اسے طعنے سننے پڑتے ہیں، اور عجیب بات ہے کہ جس نقصان پر خادم کو بے تکان صلواتیں سنائی جاتی ہیں اگر وہ نقصان خود اپنے ہاتھوں ہو جاتا ہے (اور ایسا ہوتا ہی رہتا ہے) تو دل کو مطمئن کرنے کے لئے نہ جانے کتنی تاویلیں تراش لی جاتی ہیں، اور اس پر کسی کا ٹوکنا بھی سخت برا لگتا ہے۔ اس دوہرے معیار سے رقابتیں بڑھتی ہیں اور جذبہ احترام و نفرت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور انسان دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے، اس لئے ہمیں منصب و وقار کا خیال رکھتے ہوئے وسعت ظرفی کا ثبوت دینا چاہئے۔



## نرمی ہی میں خیر ہے

اور ہمارے معاملات غرور و رعونت اور غیر ضروری شدت سے خالی رہنے چاہئیں، جب ہی ہم لوگوں کے دل جیت سکتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرَّفْقَ فِي الْأُمْرِ كُلِّهِ. (مسلم شریف ۱۲ / ۳۲۲)

میں نرمی پسند فرماتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

إِنَّ الرَّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يَنْزِعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ. (مسلم شریف ۱۲ / ۳۲۲)

نرمی جس چیز میں بھی پائی جائے گی وہ اس کو مزین بنا دے گی اور اس کے برخلاف سختی جہاں بھی ہوگی وہ اس کو عیب دار بنا دے گی۔

اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ يُعْطِي عَلَى الرَّفْقِ مَا لَا يُعْطَى عَلَى الْخُرْقِ، وَإِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا أَعْطَاهُ الرَّفْقَ، مَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يُحْرَمُونَ الرَّفْقَ إِلَّا حُرْمُوا. (رواه الطبرانی، الترغيب والتزهيب ۱۳ / ۲۷۸)

اللہ تعالیٰ نرمی پر جو اجر عطا فرماتے ہیں وہ سختی پر عطا نہیں فرماتے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو اسے ”نرمی“ کی صفت سے نوازتے ہیں، اور جس گھر والے نرمی سے محروم ہوں وہ واقعی (ایک بڑی نعمت سے) محروم کر دئے گئے ہیں۔

ان تعلیمات سے معلوم ہوا کہ کسی بھی معاملہ میں ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لینا چاہئے، اور کوئی خطا کار اگر غلطی پرندامت کے ساتھ ہمارے پاس آئے تو ہمیں اسے معاف کر دینا چاہئے، اور آئندہ اس کی طرف سے اپنا دل بالکل صاف کر لینا چاہئے، ایک حدیث میں ہے کہ ”جو لوگوں پر رحم نہ کرے اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا“۔ (بخاری شریف بحوالہ الترغیب والتزهیب ۲۰۱/۳)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ”جب کسی شخص کے پاس اس کا بھائی معذرت لے کر آئے تو خواہ وہ بھائی حق پر رہا ہو یا ناحق پر، اسے اس کی معذرت قبول کر لینی چاہئے ورنہ وہ شخص حوض کوثر پر حاضری سے محروم رہے گا“۔ (الترغیب والترہیب ۳۹۲/۳)

آج ہمارا عام مزاج بن گیا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ ہماری نظروں سے گر جاتا ہے بس زندگی بھر کے لئے اس سے دشمنی دل میں بٹھالی جاتی ہے اور اس پر سے اعتماد اٹھالیا جاتا ہے، ہمارا یہ طرز عمل بھی مقبولیت کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے جسے دور کرنا ضروری ہے۔





## حلم و بردباری

اجتماعی زندگی میں انسان کو لوگوں کی اذیتوں پر صبر بھی کرنا پڑتا ہے، اور اس موقع پر یہ صبر ہی انسان کی عظمت کو ”ثریا“ کی سی بلندی عطا کر دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”آدمی اپنے حلم و بردباری کے ذریعہ دن کے روزہ دار اور رات کے عبادت گزار کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے“۔ (الترغیب والترہیب ۳/۴۱۸)

۸ھ میں جب عبدالقیس کا وفد یمن سے نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے سردار ”منذر ابن عائدؓ“ (جو اشج عبدالقیس کے لقب سے معروف ہیں) کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”آپ میں دو ایسی عادتیں پائی جاتی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہیں، ایک حلم و بردباری، دوسرے دو راندیشی“۔ (فتح الملہم ۱/۱۸۴)

ایک حدیث میں ہے کہ ”جو شخص غصہ دلائے جانے پر بھی حلم کا معاملہ کرے اللہ کی محبت اس کے لئے ضروری ہو جاتی ہے۔ (الترغیب والترہیب ۳/۴۱۹)

سیدنا حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا آپ نے ایک نجرانی چادر زیب تن فرما رکھی تھی جس کے کنارے سخت تھے، اچانک ایک دیہاتی آپ کے پاس آیا اور آپ کی چادر مبارک کو زور سے پکڑ کر کھینچا، میں نے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن کے ظاہری حصے کو دیکھا جس پر سختی سے چادر کھینچنے کا نشان نمایاں

تھا، پھر اس دیہاتی نے حضورؐ سے کہا کہ اے محمدؐ! مجھے اس مال میں سے عطا کرنے کا حکم کیجئے جو آپ کے پاس ہے، اس شخص کی اس سخت گستاخی کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے اور اسے عطیہ دینے کا حکم فرما دیا۔ (الترغیب والترہیب ۴/۱۹۳)

غزوہ حنین کے موقع پر آپ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے اور مصالح شرعیہ کے پیش نظر تالیفِ قلب کے لئے نومسلموں کو زیادہ حصہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے آپ کے طرزِ عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: ”یہ تقسیم عادلانہ نہیں ہے“۔ جب اس کا یہ تبصرہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو آپ صرف یہ ارشاد فرما کر خاموش ہو گئے کہ: ”اگر اللہ اور اس کا رسول ہی انصاف نہ کرے تو اور کون دنیا میں انصاف کرنے والا ہوگا؟ اور اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے کہ ان کو اس سے زیادہ (ان کی قوم کی طرف سے) اذیتیں پہنچائی گئیں مگر انہوں نے برداشت سے کام لیا“۔ (بخاری شریف ۴/۴۳۶، ۴۸۳، ۶۷۳۲، العلم والعلماء ۱۳)

غور فرمائیے! کیا آج ہم اپنے مخالف اور معترض کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتے ہیں؟ ہماری تو یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہمیں کسی طرح بھی اذیت پہنچانے والا کبھی چین سے نہ رہے اور ہر وقت انتقام لینے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ۔

## حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مقام

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقہ اسلامی کے بنیادی ستون ہیں، جن کا فیض آج دنیا کے چپے چپے میں جاری ہے، ان کی مقبولیت اور بے مثل محبوبیت میں ان کی حلم و بردباری کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ: ”میں نے کبھی کسی کی برائی پر بدلہ نہیں لیا اور نہ میں نے کسی کو گالی دی، اور نہ کبھی کسی مسلمان یا ذمی پر ظلم کیا اور نہ کبھی کسی کے ساتھ خیانت کی اور نہ دھوکہ دیا“۔ (عقود الجنان ۲۸۸)

ایک مرتبہ مناظرہ کے دوران فریقِ مخالف نے آپ کو زندیق اور بدعتی ہونے کا طعنہ دیا، مگر حضرت امام صاحبؒ نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ: ”بھائی! اللہ تمہیں معاف کرے، تم نے

میرے بارے میں جو رائے قائم کی ہے، میرے بارے میں میرے اللہ کا علم اس کے برخلاف ہے، واقعہ یہ ہے کہ میں نے اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اس کے علاوہ کبھی کسی کو نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور مجھے اس کی رحمت کے سوا کسی سے امید نہیں، اور اس کی سزا کے علاوہ مجھے کسی کا خوف نہیں، سزا کا ذکر آتے ہی آپ سخت گریہ طاری ہو گیا، تا آنکہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش آیا تو اسی برا کہنے والے شخص نے معافی کی درخواست کی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جاہلوں میں سے جو شخص میرے بارے میں غلط بات کہے وہ معاف ہے، لیکن اہل علم میں سے جو شخص مجھ پر الزام لگائے تو معاف نہیں، اس لئے کہ علماء کی بیان کردہ غیبت ان کے مرنے کے بعد بھی (کتابوں وغیرہ میں) باقی رہتی ہے“۔ (عقود الجمان ۲۲۶)

## حضرت امام ابوحنیفہؒ کا بے مثال تحمل

عبدالرزاق ابن ہمام کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ حلیم اور بردبار کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ ہم مسجد خیف میں آپ کے ساتھ بیٹھے تھے، آپ کے ارد گرد لوگوں کا مجمع تھا، اس دوران بصرہ کے رہنے والے ایک شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا آپ نے جواب دے دیا، تو اس سائل نے جرح کی کہ اس مسئلہ میں حسن بصریؒ کی رائے تو یہ ہے، (اور آپ کی رائے ان کے خلاف ہے) تو آپ نے جواب دیا کہ ”حسن بصریؒ سے غلطی ہوگئی“ آپ کا یہ جواب سن کر ایک شخص جس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا اٹھا، اور امام صاحب سے خطاب کر کے یہ گستاخانہ کلمات کہے کہ ”اے زانیہ کے بچے تو یہ کیا کہتا ہے کہ حسن بصریؒ نے غلطی کی“، اس کی گستاخی دیکھ کر لوگوں میں شور مچ گیا، اور حاضرین نے اسے سزا دینے کا ارادہ کیا، مگر امام صاحب نے سب کو خاموش کر دیا۔ پھر کچھ دیر سر جھکائے رہنے کے بعد نہایت سنجیدگی سے ارشاد فرمایا: ”ہاں بھائی! حسن بصریؒ سے غلطی ہوئی جب کہ ابن مسعودؓ اس مسئلہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمودہ روایت میں حق پر تھے“۔ (عقود الجمان ۲۸۷)

اللہ اکبر! کیا اس حلم و بردباری کی کوئی حد ہے؟ آج ہمیں کوئی یہ کہہ کے دیکھ لے، پھر اس

کے خلاف کیسی کیسی کارروائیاں تیار ہوتی ہیں؟

عاصم بن یوسفؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسجد میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ درس و تدریس میں مشغول تھے اور مسجد کے ایک گوشہ میں ایک شخص آپ کو مسلسل گالیاں دے رہا تھا، مگر امام صاحبؒ اپنے کام میں مشغول تھے، نہ تو اس کی طرف متوجہ ہوئے نہ جواب دیا، اور اپنے شاگردوں کو بھی اس سے گفتگو کرنے سے منع کر دیا، جب درس ختم ہوا (اور آپ دولت کدہ کی جانب تشریف لے چلے) تو وہ شخص بھی آپ کے پیچھے ہولیا (اور برا بھلا کہتا رہا) امام صاحبؒ جب اپنے گھر پہنچے تو دروازہ پر کھڑے ہو کر اس گالی دینے والے شخص سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ: ”بھائی یہ میرا گھر ہے! اگر تم اپنی بات پوری کرنا چاہو حتیٰ کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے وہ سب کہہ لو تو شوق سے کہو (میں اسے سن کر ہی اندر جاؤں گا) امام صاحبؒ کا یہ حلیمانہ جواب سن کر وہ شخص شرمندہ ہو گیا“۔ (عقود الجمان ۲۹۱)

## حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا حلم

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے واقعات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ وعظ فرما رہے تھے ایک شخص درمیان سے اٹھا اور کہنے لگا کہ ”مولوی صاحب ہم نے سنا ہے کہ تم حرامی ہو“ تو شاہ صاحبؒ نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ ”میاں تم نے غلط سنا ہے میرے باپ کے نکاح کے گواہ بڑھانہ، پھلت اور خود دلی میں موجود ہیں“۔

## شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی بردباری

اسی طرح کا واقعہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کا بھی ہے ایک مرتبہ آپ درس دے رہے تھے، کسی گستاخانے نے یہ رقعہ بھیجا کہ ”آپ اپنے باپ سے نہیں ہیں“ جب آپ نے یہ پرچہ پڑھ کر سنایا تو ساری مجلس میں کھلبلی مچ گئی اور حاضرین طلبہ غیظ و غضب میں بھر گئے، آپ نے نہایت حلم و بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: ”خبردار! کسی کو غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میرا حق ہے کہ میں اسے تسلی کر دوں“، پھر فرمایا کہ میں ضلع فیض آباد قصبہ ٹانڈہ

محلہ الہداد پورہ کا رہنے والا ہوں، اس وقت بھی میرے والدین کے نکاح کے گواہ زندہ موجود ہیں خط بھیج کر یا جا کر سمجھ لیا جائے۔“ (بیس بڑے مسلمان ۵۱۵)

تحریرات کے دور میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو جس قدر جی بھر کر مطعون کیا گیا اور آپ کے سامنے بدترین انداز میں گستاخیاں کی گئیں ان کا تصور بھی اس دور میں نہیں کیا جاسکتا، لیکن حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ ہمیشہ بے مثال حلم اور بردباری کا مظاہرہ فرماتے رہے۔ ایک مرتبہ آپ کے کچھ جاں نثاروں نے آپ کے مخالفین کی ہجو میں کچھ اشعار شائع کرانے چاہے تو آپ نے انہیں روک دیا، اور پوچھنے پر فرمایا کہ ”میرے بھائی! میرے ساتھ جس کسی نے جو کچھ کیا ہے یا کوئی آئندہ کرے گا میں سب کو معاف کر چکا ہوں، آپ میری وجہ سے کسی کو برا بھلا نہ کہیں نہ کسی کے لئے بددعا کریں۔“ (بیس بڑے مسلمان ۵۱۳)

ان اکابر کے کردار کی روشنی میں آج ہمیں اپنے طرز عمل کا جائزہ لینا چاہئے کہ ان حضرات نے ذاتیات کے اختلاف پر کس طرح صبر و تحمل سے کام لیا اور آج ہم کس طرح اپنے مخالفوں سے انتقام لینے کی فکر میں پڑے رہتے ہیں۔ یاد رکھیں! جب تک انسان میں حلم و بردباری اور صبر و تحمل کی صلاحیت نہ ہو وہ کسی بھی اجتماعی ذمہ داری کو نہ نبھاسکتا ہے اور نہ ہی اپنے ماتحتوں کی نظر میں مقبولیت حاصل کرسکتا ہے۔ اس لئے کوشش کرنی چاہئے کہ ہم حلم کے عادی بنیں اور انتقامی جذبات سے پوری طرح محفوظ رہیں، اللہ رب العزت ہماری مدد فرمائیں، آمین۔



## زہد و استغنا

مقبولیت کی ایک اہم صفت زہد و استغنا ہے، حضرت سہل ابن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیے جو مجھے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی نظر میں مقبول و محبوب بنا دے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللَّهُ،  
وَأِزْهَدْ فِي مَا فِي أَيْدِي النَّاسِ  
يُحِبُّكَ النَّاسُ. (رواه ابن ماجه،

دنیا سے بے رغبتی اور زہد اختیار کر لو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا، اور لوگوں کے مال و دولت سے نظریں پھیر لو تو لوگوں کی نگاہ میں

محبوب بن جاؤ گے۔

(الترغيب والترهيب / ۷۴)

واقعہ یہ ہے کہ زہد سے متصف ہوئے بغیر لوگوں کے قلوب متوجہ ہو ہی نہیں پاتے جہاں ذرا سا لالچ کا شبہ ہو ادنیٰ منصب کی عزت داغ دار ہو جاتی ہے اور جب استغنا ہوتا ہے تو یہی دنیا جس کے دیدار کے لئے درد رکھ کر کھائی جاتی ہے زہد کے قدموں میں آ کر گرتی ہیں اور وہ اسے بے نیازی کے ساتھ جھاڑ کر آگے چل دیتا ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا:



جس کا نصب العین دنیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کام کو پراگندہ فرمادیتے ہیں اور محتاجگی اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتے ہیں اور تقدیر سے زیادہ دنیا اسے نہیں مل پاتی اور جس کا مقصد آخرت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو درست فرمادیتے ہیں اور اس کے دل میں غنا کو بھر دیتے ہیں اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے۔

مَنْ كَانَتْ الدُّنْيَا هَمَّهُ، فَرَّقَ اللَّهُ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَجَعَلَ فُفْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كَتَبَ لَهُ، وَمَنْ كَانَتْ الْآخِرَةُ نِيَّتَهُ جَمَعَ اللَّهُ لَهُ أَمْرَهُ، وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ، وَآتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ. (رواہ ابن

ماجہ، شعب الایمان ۱۷/۲۸۸، الترغیب

والتہیب ۵۶/۴)

## نبی اکرم ﷺ کا زہد

سرور کائنات فخر موجودات سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو اپنے لئے دنیا کی ہرزیب وزینت جمع فرما لیتے، لیکن آپ نے اپنے لئے زہد کو پسند فرمایا، اور دنیا میں ایک مسافر کی طرح زندگی گزارنے کا اسوہ پیش کیا، سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ جب مدینہ منورہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے، تو میں پیغمبر علیہ السلام سے تحقیق حال کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہ بند پہنے ہوئے ایک کھڑی چٹائی پر تشریف فرما ہیں، اور چٹائی کے نشانات آپ کے بدن پر نمایاں ہیں، اور میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو آپ کے اسٹور روم میں ایک صاع (تقریباً سو تین کلو) جو، اور کمرہ کے ایک کونے میں ”قرظ“ (چمڑے کی دباغت کا سامان) اور ایک کچی کھال لٹکی ہوئی تھی (اور کچھ نہ تھا) یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ”عمر! کیوں رو رہے ہو؟“ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں آخر کیوں نہ روؤں؟ جب کہ چٹائی کے نشانات آپ کے مبارک بدن پر ہیں، اور آپ کے کمرے میں جو میں دیکھ رہا ہوں اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے جب

کہ دنیا کے بادشاہ قیصر و کسری پھلوں اور نہروں کے بیچ میں (مزے اڑا رہے) ہیں، اور آپ تو اللہ کے رسول اور اس کے پسندیدہ ہیں، یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! أَمَا تَرْضَىٰ أَنْ تَكُونَ لَنَا الْآخِرَةَ وَلَهُمُ الدُّنْيَا.

ہمارے لئے آخرت ہو اور ان کے لئے دنیا؟

میں نے کہا کیوں نہیں؟ (میں اس پر راضی ہوں)

(مسلم شریف ۱/۴۸۰)

اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں پیغمبر علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن مسعود

ﷺ سے یہ ارشاد فرمایا تھا:

فَلَا تَبْكِهِ يَا عَبْدَ اللَّهِ، فَإِنَّ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةَ، وَمَا أَنَا وَاللُّدُنْيَا، وَمَا مَثَلِي وَمَثَلُ الدُّنْيَا إِلَّا كَمِثْلِ رَاكِبٍ نَزَلَ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ سَارَ وَتَوَكَّهََا. (الترغيب والترهيب

عبداللہ! مت روؤ، کیوں کہ ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت کی نعمتیں ہیں، اور مجھے دنیا سے کیا لینا دینا، میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی مسافر سوار آرام کے لئے کسی درخت کے نیچے اتر کر آرام کرے، اور پھر کچھ دیر

بعد اسے چھوڑ کر چلتا بنے۔

(۹۸/۴)

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مال کی کثرت کی دعاء نہیں کی، بلکہ زیادہ سے

زیادہ جو دعاء کی وہ یہ تھی کہ ”اے اللہ! محمد کے اہل خاندان کو بقدر ضرورت برابر سراسر روزی عطا فرما“۔ (مسلم شریف ۲/۴۰۹) اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم زہد و استغناء کے کس اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

## کامیاب مسلمان

کامیاب مسلمان اور باعافیت شخص کون ہے؟ اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ، وَرِزْقٌ كَفَافًا

وہ شخص فلاح پا گیا جو (۱) اسلام سے مشرف ہو۔

(۲) جسے برابر سرا پر روزی میسر ہو۔ (۳) اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی دی ہوئی روزی پر قناعت سے سرفراز کر دیا ہو۔

اور ایک مرفوع روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

إِذَا أَرَادَ اللَّهُ خَيْرًا أَرْضَاهُ بِمَا قَسَمَ لَهُ وَبَارَكَ لَهُ فِيهِ وَإِذَا لَمْ يُرِدْ بِهِ خَيْرًا لَمْ يَرْضَهُ بِمَا قَسَمَ لَهُ وَلَمْ يُبَارِكْ لَهُ فِيهِ. (کتاب القناعة لابن ابی الدنیا ۶۰، مسند الامام احمد ۱۵ / ۲۴)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے اپنی عطا فرمودہ روزی پر راضی فرما کر اسے برکت سے نوازتے ہیں۔ اور جس کے ساتھ خیر کا ارادہ نہیں فرماتے تو نہ تو اسے اس کے حصہ پر راضی کرتے ہیں اور نہ ہی اسے برکت سے نوازتے ہیں۔

حضرت قتادہ بن العثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَحْمِي أَحَدَكُمْ مَرِيضَهُ الْمَاءِ. (ذم الدنیا ۲۹)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اسے دنیا کی محبت سے اس طرح بچاتے ہیں جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے، (جب کہ پانی مریض کے لئے نقصان دہ ہو)

ایک مرتبہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیغمبر علیہ السلام سے سوال کیا کہ ہم میں سب سے اچھا

شخص کون ہے؟ تو آپ نے جواب دیا:

أَزْهَدُكُمْ فِي الدُّنْيَا، وَأَرْغَبُكُمْ فِي الْآخِرَةِ. (ذم الدنیا ۶۲)

جو تم میں دنیا سے سب سے زیادہ بے رغبت اور آخرت کی طرف سب سے زیادہ راغب ہو۔

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین اہم وصیتیں

ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کرنے کی گزارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) لوگوں کے قبضہ والے مال سے ناامید رہو، اس لئے کہ یہی غنی ہے۔ اور لالچ سے بچتے رہو کہ وہ دکھائی دینے والی محتاجگی ہے۔ (۲) اور نماز اس طرح پڑھو گویا کہ وہ زندگی کی آخری نماز ہو۔ (۳) اور ایسی بات سے بچو جس سے بعد میں معذرت کرنی پڑے۔

عَلَيْكَ بِالْيَأْسِ فِيمَا فِي أَيْدِي  
النَّاسِ فَإِنَّهُ الْغَنِيُّ وَإِيَّاكَ وَالطَّمَعِ  
فَإِنَّهُ الْفَقْرُ الْحَاضِرُ، وَصَلِّ  
صَلَوَاتِكَ وَأَنْتَ مُوَدَّعٌ وَإِيَّاكَ وَمَا  
يُعْتَدِرُ مِنْهُ. (كتاب القناعة ۷۷)

الغرض اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول بننا ہے تو دنیا کی محبت، لالچ اور حرص سے دل کو صاف کرنا ہوگا، اس کے بغیر قبولیت کی تمنا بھی فضول ہے۔

## سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زہدانہ زندگی

خلیفہ اول، جانشین سیدالکوین، سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہونے کے باوجود کمال زہد کے ساتھ زندگی گذاری، سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنی صاحب زادی حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ: ”دیکھو ہماری اونٹنی جس کا دودھ ہم پیتے تھے، اور ہمارا بچہ جس میں ہم کپڑے دھوتے تھے، اور ہماری چادر جسے ہم پہنتے تھے، جب تک ہم مسلمانوں کی ولایت پر فائز تھے ہمیں ان سے نفع اٹھانے کا حق تھا، لہذا جب میری وفات ہو جائے تو یہ سب چیزیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دینا، چنانچہ وفات کے بعد حضرت عائشہؓ نے یہ چیزیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ بول اٹھے ”ابو بکر! تم پر رحم کرے تم نے بعد میں آنے والوں کو تھکا دیا“ (یعنی ایسا نمونہ پیش کیا کہ اس پر عمل آسان نہیں) (الصواعق المحرقة لابن حجر المکی ۱۳۱)

## سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا زہد

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا زہد ضرب المثل ہے، آصف بن قیس کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھے تھے کہ وہاں ایک باندی گذری تو لوگوں

نے کہا کہ یہ امیر المؤمنین کی باندی ہے، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہ تو یہ امیر المؤمنین کی باندی ہے اور نہ ان کے لئے حلال ہے، بلکہ یہ اللہ کا مال ہے (یعنی سرکاری بیت المال کی ملکیت ہے) تو ہم نے کہا کہ امیر المؤمنین کے لئے اس میں کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سال میں دو جوڑے کپڑے، ایک سردی کا اور ایک گرمی کا، اور حج و عمرہ کا خرچ اور گھر والوں کے کھانے کا خرچ، میں تو بس ایک قبیلہ قریش کا فرد ہوں نہ ان میں مال دار ہوں اور نہ فقیر ہوں، بلکہ میں عام مسلمان ہی تو ہوں۔ (الصواعق المحرقة ۱۵۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وسعت نہ ہونے کی وجہ سے چمڑے کے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن لیتے، اور دنیوی زیب و زینت سے ہر ممکن احتراز کرتے تھے۔

## حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حالت

ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار بن حمزہ سے کہا کہ میرے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صفات بیان کرو، تو ضرار بن حمزہ نے معذرت کی، مگر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسم دلا کر ان سے اصرار کیا، تو انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صفات عالیہ کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا:

”اللہ کی قسم وہ بڑے بہادر اور طاقت ور تھے، فیصلہ کن بات کہتے اور منصفانہ فیصلے کرتے تھے، علم ان کے اطراف و جوانب سے پھوٹا پڑتا تھا، اور ان کی زبان حکمت ریز تھی، وہ دنیا اور اس کی زیبائش سے متنفر، اور رات اور اس کی وحشت سے مانوس تھے، وہ بہت زیادہ آنسو گرانے والے اور طویل فکر میں مستغرق رہتے تھے، معمولی لباس اور موٹا جھوٹا کھانا انہیں مرغوب تھا، وہ ہمارے درمیان ہماری ہی طرح گھل مل کر رہتے تھے، ہم کوئی بات پوچھتے تو اس کا جواب دیتے تھے، اور اگر ہم انہیں دعوت دیتے تو اسے قبول کرتے، اور قسم بخدا اس بے تکلفی کے باوجود ان کے رعب کی وجہ سے ہمیں ان سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، وہ دین داروں کے قدر داں تھے، اور مسکینوں کو اپنے قریب کرنے والے تھے، کوئی طاقت ور شخص ان سے غلط بات منوانے کی ہمت نہ رکھتا تھا، اور کوئی کمزور شخص ان کے عدل و انصاف سے مایوس نہ تھا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے انہیں ایک رات میں اپنی داڑھی پکڑے ہوئے تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے یہ کہتے ہوئے سنا ہے“ اے

دنیا میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دینا، کیا تو میری طرف آنا چاہتی ہے؟ تو مجھ سے دور ہو جا، دفع ہو جا، میں نے تجھے تین مرتبہ طلاق دے کر بانہ کر دیا ہے، اب رجعت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، تیری عمر بہت کم ہے، اور تیری عظمت معمولی ہے، افسوس تو شہ کم ہے اور سفر لمبا ہے، اور راستہ پر خطر ہے۔

یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بے اختیار رو پڑے، اور فرمایا: اللہ ابوالحسن رضی اللہ عنہ (حضرت علی کی کنیت) پر رحم فرمائے وہ واقعی ایسے ہی تھے۔ (الصواعق المحرقة فی الرد علی اهل البدع والزندقة ۲۰۲، ۲۰۳)

## حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا حال

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان سے ملنے تشریف لے گئے، تو دیکھا کہ آپ رورہے ہیں، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آخر رونے کی کیا وجہ ہے؟ کیا آپ کو پیغمبر علیہ السلام کی صحبت کا شرف نہیں ملا ہے؟ اور فلاں فلاں سعادت حاصل نہیں ہوئے؟ تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہ تو میں دنیا کی محبت میں رورہا ہوں اور نہ آخرت ناپسند ہونے کی وجہ سے رورہا ہوں۔ لیکن بات یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم سے ایک عہد لیا تھا، میں سمجھتا ہوں کہ اس کے پورا کرنے میں مجھ سے کوتاہی ہوئی، حضرت سعد نے پوچھا کہ آپ سے کیا عہد لیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہمارے پاس بس اتنا تو شہ ہو جو مسافر کے پاس ہوتا ہے (یعنی بس بقدر ضرورت مال ہو) لیکن میں اس وعدہ پر برقرار نہیں رہا، اور تم اے سعد! فیصلہ کرتے وقت مال تقسیم کرتے وقت اور کسی بھی اقدام کا منصوبہ بناتے وقت اللہ سے ڈرتے رہنا۔ ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا ترکہ بیس درہم سے کچھ اوپر تھا اور کچھ تھوڑا بہت کھانے پینے کا سامان تھا۔ (الترغیب والترہیب عن ابن ماجہ ۷۹۴)

مذکورہ اساطین امت کی قابل تقلید زندگیاں اس قابل ہیں کہ ہم انہیں پیش نظر رکھیں، اور دنیا کی زیب و زینت کو مقصود نہ بنائیں جو بلا تگ و دو کے مل جائے اس پر شکر کریں، اور اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھیں، لیکن جو نہ ملے اس کے حصول کے لئے اپنے دینی منصب کو داغ دار نہ کریں۔

## علم کا ضیاع کیسے؟

بالخصوص جب کوئی عالم دین دنیا کے پیچھے پڑ جاتا ہے تو اس کا علم ضائع ہو جاتا ہے، اور اسے علم کی برکتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی ملاقات حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ: علم والے لوگ کون ہیں؟ حضرت کعب نے جواب دیا کہ علم والے لوگ وہ ہیں جو اپنے علم کے مطابق عمل کرنے والے ہوں، پھر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ جاننے اور پہچاننے کے باوجود کیا بات علماء کو ان کے علم سے محروم کر دیتی ہے؟ حضرت کعب نے جواب دیا کہ: لالچ، حرص اور لوگوں سے اپنی ضرورتیں وابستہ کرنے سے علم رخصت ہو جاتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ان کی تصدیق فرمائی۔ (کتاب القناعۃ والتعفف لابن ابن الدینیا ۷۵)

تجربہ اور مشاہدہ سے بھی مذکورہ بات کی تائید ہوتی ہے، جو عالم بھی لالچ میں پڑے گا وہ کبھی بھی باعزت نہیں رہ سکتا، اور نہ ہی آزادی کے ساتھ دینی خدمات بجالا سکتا ہے۔ لالچ سے دل میں ایسی وحشت پیدا ہوتی ہے کہ عبادت کی چاشنی جاتی رہتی ہے، مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ ”تمہارے دل میں جتنی دنیا کی محبت ہوگی اسی کے بقدر آخرت کے اعمال کی حلاوت دل سے نکل جائے گی“۔ (ذم الدینیا ۷۴)

## استغناء میں عافیت ہے

اس کے برخلاف جب دل میں استغناء ہو تو ہر طرح کی راحت ہی راحت ہے۔ سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: ”دنیا سے بے رغبتی میں دل اور بدن دونوں کی راحت ہے“۔ (ذم الدینیا ۸)

اور حضرت ابو عمران الجوی فرماتے ہیں کہ: ”مؤمن کی زینت اس کا فضول باتوں سے خاموش رہنا ہے، اور اس کی عزت لوگوں سے مستغنی رہنے میں ہے“۔ (کتاب القناعۃ ۲۸)

آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ جن حضرات علماء اور اکابر و مشائخ کا نام آج عظمت و محبت سے لیا جاتا ہے ان کی زندگی میں استغناء کا عنصر نمایاں تھا۔ اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پوری جرأت و عزیمت کے ساتھ دعوتی اور اصلاحی خدمات کی توفیق عطا فرمائی اور کوئی بڑے سے بڑا شخص بھی انہیں اپنی جاہ و دولت کے ذریعہ مرعوب نہ کر سکا، بلکہ ان کے سامنے بڑے بڑے سلاطین و امراء کی گردنیں جھک گئیں اور علم کی عظمت دنیا کے سامنے عیاں ہو گئی۔

## حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کا بے مثال استغناء

ہمارے اکابر دیوبند کے سرخیل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ العزیز کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ چھتہ مسجد دیوبند میں اپنے کمرہ کے سامنے چھپر میں حجامت بنوارہے تھے کہ شیخ عبدالکریم صاحب رئیس لال کرتی میرٹھ آپ سے ملنے کے لئے خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے ان کو دور سے آتا دیکھا، جب وہ قریب آئے تو ایک تغافل کے ساتھ رخ دوسری طرف پھیر لیا گیا کہ دیکھا ہی نہیں ہے، وہ آکر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے، ان کے ہاتھ میں رومال میں بندھے ہوئے بہت سے روپے تھے، جب انہیں کھڑے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا تو حضرت مولانا نے ان رئیس صاحب کی طرف رخ کر کے فرمایا: آہا شیخ صاحب ہیں، مزاج اچھا ہے، انہوں نے سلام عرض کیا اور قدم چوم لئے اور وہ روپیہ باندھا ہوا قدموں پر ڈال دیا، حضرت نے اسے قدموں سے الگ کر دیا تو انہوں نے ہاتھ باندھ کر بہ منت قبول فرمانے کی درخواست کی، بالآخر بہت انکار کے بعد انہوں نے تمام روپیہ حضرت کی جوتیوں میں ڈال دیا، جب حضرت اٹھے تو نہایت استغناء کے ساتھ جوتے جھاڑے اور روپیہ سب زمین پر گر گیا۔ حضرت نے جوتے پہن لئے اور حافظ انوار الحق سے ہنس کر فرمایا کہ حافظ صاحب! ہم بھی دنیا کماتے ہیں، فرق یہ ہے کہ ہم دنیا کو ٹھکراتے ہیں اور وہ قدموں میں پڑتی ہے اور دنیا دار اس کے قدموں میں گرتے ہیں اور وہ انہیں ٹھکراتی ہے، اور یہ فرما کر وہ روپیہ وہیں تقسیم فرما دیا۔ (ارواح ثلاثہ ۲۸۲)

حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز دنیا داروں سے ہمیشہ خود داری اور استغناء کے ساتھ پیش



آتے رہے۔ ایک مرتبہ ریاستِ رام پور تشریف لے گئے، نواب رام پور نے اپنے وزراء کے ذریعہ آپ کو اپنے دربار میں بلانے کی درخواست کی، حضرت نے اولاً تو اعذار کئے، جب زیادہ اصرار ہوا تو صاف کہہ دیا کہ: ”نواب صاحب ہی تو میری ملاقات کے مشتاق ہیں، میں تو ان کی زیارت کا مشتاق نہیں ہوں، اگر ان کو اشتیاق ہے تو خود مجھ سے مل لیں، ان کے پیروں میں مہندی تو نہیں لگی ہے، اور بغیر ملے وہاں سے چل دیئے“۔ (ارواحِ ثلاثہ: ۲۸۲)

## حضرت گنگوہیؒ کا زہد و استغناء

امام ربانی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے زہد و استغناء کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ افغانستان کے بادشاہ امیر حبیب اللہ نے اپنے سفیر کے ذریعہ آپ کی خدمت میں پانچ ہزار روپے بھیجے اور یہ لکھا کہ ہر سال اتنی ہی رقم پیش کی جاتی رہے گی، لیکن حضرت نے کمال استغناء کا نمونہ پیش فرماتے ہوئے یہ نذرانہ قبول نہیں کیا اور جواب لکھ دیا کہ: ”میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور حق تعالیٰ نے مجھے بہت دے رکھا ہے جمع کر کے کیا کروں گا اس لئے واپس کرتا ہوں کسی دوسرے مصرف خیر میں خرچ کر دیا جائے“۔ (بیں بڑے مسلمان ۲۱۳)

## حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا عبرت انگیز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ جنہوں نے واقعہ اپنے دور میں تجدیدی کارنامے انجام دئے ہیں اور جن کا علمی و روحانی فیض آج پورے عالم میں جاری ہے، ایک مرتبہ آپ کو ڈھا کہ کے مشہور و معروف نواب سلیم اللہ خاں صاحب نے باصرار ڈھا کہ آنے کی دعوت دی، حضرت نے ان کے اصرار پر دعوت کی قبولیت کے لئے چند شرطیں لکھ کر بھیج دیں جن میں سب سے پہلی شرط یہ تھی کہ کسی قسم کا نقد یا غیر نقد ہدیہ نہ دیا جائے۔ اس سفر میں نواب صاحب نے تمام شرائط کا خیال رکھا، اتفاق سے کچھ دنوں کے بعد دوبارہ پھر انہی نواب صاحب نے آپ کو دیکر علماء دیوبند کے ساتھ ڈھا کہ آنے کی دعوت دی، ان حضرات کو کلکتہ ہو کر ڈھا کہ جانا تھا، کلکتہ میں ان

کے قیام و طعام کے انتظام کے لئے نواب صاحب نے اپنے ایک دوست کو متعین کر دیا۔ جب حضرت تھانوی قدس سرہ کلکتہ پہنچے تو نواب صاحب کے دوست نے شایان شان انتظام کیا اور بہت مسرت کا اظہار کیا، اور دوران گفتگو ان رئیس صاحب نے یہ اصرار کیا کہ حضرت ہدیہ نہ قبول کرنے کی شرط واپس لے لیں، حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ: ”یہ کیا ضروری ہے کہ محبوب کو گھر بلا کر ہی ہدیہ دیا جائے، اگر ایسا ہی شوق ہے تو اس کے گھر جا کر یا گھر بھیج کر بھی ہدیہ دیا جاسکتا ہے۔“ وہ رئیس صاحب اپنی مال داری کے زعم میں کہنے لگے کہ ”جناب معاف فرمائیے! پیاسا کنویں کے پاس آتا ہے، کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا۔“ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس رئیس کی اس بات پر نہایت کبیدہ خاطر ہوئے، اور عالمانہ استغناء کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ: ”آپ کا خیال یہ ہے کہ آپ حضرات کنواں ہیں اور ہم پیاسے! اور ہمارے دماغ میں یہ سما یا ہوا ہے کہ ہم کنواں ہیں اور آپ پیاسے! اور اس کی ہمارے پاس دلیل بھی ہے کہ ضرورت کی دو چیزیں ہیں: دین اور دنیا۔ ان میں سے ہماری حاجت کی ایک چیز تو آپ کے پاس ہے بھی یعنی دنیا، تو وہ اللہ تعالیٰ نے بقدر ضرورت ہمیں بھی دے رکھی ہے، لیکن آپ کی حاجت کی جو چیز ہمارے پاس ہے یعنی دین، وہ آپ کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں۔ اس لئے آپ ہمارے محتاج ہوئے یا ہم آپ کے؟ آپ پیاسے ہوئے اور ہم کنواں ہوئے، یا ہم پیاسے اور آپ کنواں ہوئے؟“ اور یہ فرما کر کلکتہ ہی سے خود اپنے کرایہ سے واپس تھانہ بھون تشریف لے آئے اور ڈھا کہ نہیں گئے۔ اور نواب صاحب اصرار کرتے رہ گئے۔ (بیس بڑے مسلمان ۳۲۴، ۳۲۵)

آپ ہی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ نواب رام پور کی دعوت پر قادیانیوں سے مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے، واپسی کے وقت نواب صاحب نے حضرت کو کرایہ سے کچھ زیادہ رقم دینی چاہی تو آپ نے یہ کہہ کر رقم واپس کر دی کہ ”ریاست کو بیت المال سے زائد از ضرورت صرف کرنے کا شرعاً اختیار حاصل نہیں ہے۔“ (بیس بڑے مسلمان ۳۲۶)

الغرض آپ نے ہمیشہ امراء اور نوابوں کے مقابلہ میں شانِ استغناء کا مظاہرہ کیا، اور بڑے

بڑے سرمایہ داروں کے کبر و نخوت کے گس بل نکال ڈالے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہاپ کے سامنے بڑے سے بڑے لکھ پتی لوگ بھی اپنی ذلت محسوس کیا کرتے تھے اور علماء کی وقعت و اہمیت کھل کر ان کے سامنے آ جاتی تھی اور اس حدیث کا صحیح منظر نظر آتا تھا کہ: ”جو شخص اپنی فکر کی کامیابی کو بنالے تو دنیا اس کے قدموں میں ذلیل ہو کر آتی ہے۔“

## شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا قابل تقلید معمول

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ جب بھی کہیں وعظ و تقریر یا قومی ملی اجتماعات میں شرکت کے لئے اسفار میں تشریف لے جاتے تو کراہیہ سے زائد رقم ہرگز وصول نہ فرماتے، اور اگر کبھی دی بھی جاتی تو دیوبند واپس تشریف لا کر حساب کر کے مابقیہ رقم منی آرڈر کے ذریعہ واپس فرما دیتے، بہت سے واقعات حضرت کے اس طرح کے موجود ہیں، حضرت کے خلیفہ اجل حاجی محمد ایوب صاحب بھاگل پوری رحمۃ اللہ علیہ نے خود راقم الحروف کو لکھا کہ: میں نے بارہا حضرت مدنی قدس سرہ کو دیکھا کہ وہ جہاں بھی جلسوں میں تشریف لے جاتے تو کراہیہ سے زائد رقم واپس کر دیتے، نیز حضرت قدس سرہ کا معمول یہ بھی رہا کہ کبھی کسی بڑے سے بڑے مال دار سے مرعوب نہیں ہوئے، جب بھی کوئی غلط بات دیکھتے تو کسی کی رو رعایت کئے بغیر کھل کر نکیر فرماتے، خاص طور پر داڑھی منڈانے پر نہایت شدت سے نکیر فرماتے اور اس میں کسی کے مال و دولت یا منصب کا قطعاً خیال نہ فرماتے، آپ کے اس طرز عمل کا اثر یہ تھا کہ بڑے بڑے سرمایہ دار آپ کی مجلس میں دست بستہ کھڑے نظر آتے اور یہ تمنا کرتے کہ کاش حضرت ان پر کرم فرماتے ہوئے ان کے کسی ہدیہ کو شرف قبولیت بخش دیں، اور حضرت کی مجلس میں آ کر ان مال داروں کو اپنی دولت و ثروت حقیر معلوم ہونے لگتی۔

## شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ کا معمول

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے دور کے زبردست مفسر، مجاہد

اور مصلح تھے، اور جن کا فیض آج بھی پاکستان میں جگہ جگہ محسوس ہوتا ہے، آپ کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ جب بھی کہیں تبلیغی دورہ پر تشریف لے جاتے تو اپنا کرایہ خرچ کر کے جاتے، دوسروں سے کرایہ نہیں لیتے تھے، اور پہلے ہی دعوت دینے والے سے یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ نے توفیق دی کرایہ ہو تو آؤں گا ورنہ نہیں آؤں گا۔

ایک مرتبہ نواب محمد حیات خاں صاحب قریشی جو اپنے علاقہ کے بڑے رئیس تھے، انہوں نے اپنے علاقہ میں آنے کی دعوت دی اور دینی ضرورت کا اظہار کیا، حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نیرمایا کہ میں جانے کو تیار ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ مجھ کو آمد و رفت کے کرایہ اور کھانے پر مجبور نہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ نواب صاحب کے علاقہ میں اس شان سے تشریف لے گئے کہ چمڑے کے مصلے میں بھنے ہوئے چنے باندھ لئے اور ایک لوٹا ساتھ رکھ لیا اور جتنے دن بھی وہاں قیام فرمایا دن بھر وعظ و تقریر کرتے اور رات میں چنے چبا کر پانی پی لیتے۔ ایک دن بھی نواب صاحب کے یہاں کھانا نہیں کھایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ دنیا دار غرور کو کاٹنے کے لئے میں نے استغناء سے تیز دھار دار آلہ نہیں دیکھا، نیز آپ فرماتے تھے کہ اگر میں دنیا داروں سے تحفہ و تحائف لیتا اور مرغِ پلاؤ کھاتا، تو شیطان ان کو سکھاتا کہ حضرت صاحب خاطر مدارات کروا گئے اور کرایہ کے نام سے پیسے بھی لے گئے اور ہمیں وعظ بھی سنا گئے ”عوض معاوضہ گلہ نہ دارد“۔ اس طرح سے میرے سارے اوقات رازبگال جاتے اور نہ ان کی آخرت سنورتی اور نہ میں ہی عند اللہ ماجور ہوتا۔ (بیس بڑے مسلمان ۶۸۲)

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے کہ اللہ والوں کی صحبت میں استغناء عن الخلق اور احتیاج اللہ کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔

## حضرت شاہ عطاء اللہ بخاریؒ کا طرز عمل

خطیب الہند مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ جن کی خطابت آج بھی برصغیر میں ضرب المثل اور زبان زد خاص و عام ہے، آپ کی شان استغناء یہ تھی کہ جلسوں کے موقع پر منتظمین جو بھی مصارف سفر پیش کرتے آپ کبھی ان کو گنتے نہ تھے اور کمی بیشی کا آپ کو کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ دولت انسان کی خدمت کے لئے ہے مخدوم بننے کے لئے نہیں، مال جمع کرنے اور گننے میں لذت محسوس کرنا اہل جہنم کا نشان ہے۔ (بیس بڑے مسلمان ۸۶۶)

## حضرت شیخ الحدیث کا استغناء

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ نے بھی پوری زندگی زہد و استغناء کے ساتھ گذاری ہے، سہارن پور کے زمانہ قیام میں کئی مرتبہ آپ کو حیدرآباد اور ڈھا کہ وغیرہ سے بڑی بڑی تنخواہوں پر بلایا گیا، لیکن آپ نے صاف لکھ دیا، ”مجھ کو جینا ہی نہیں بندہ احساں بن کر“۔

روپے پیسے کی حیثیت آپ کی نظر میں ٹھیکروں کے برابر بھی نہیں تھی، دکھاوے اور بناوٹ کا زندگی میں نام و نشان تک نہ تھا، اس سادگی اور استغناء کے باوجود مقبولیت اور محبوبیت کا حال یہ تھا کہ بڑے بڑے اہل ثروت آپ کی قدم بوسی کے لئے خادموں کی طرح آگے پیچھے رہتے تھے۔

## حضرت فقیہ الامت کا مثالی زہد

یہی حال آپ کے خلیفہ اجل اور جانشین، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا رہا۔ حضرت مفتی صاحب کو کانپور کے زمانہ قیام کے دوران صرف ستر روپے تنخواہ ملتی تھی جن میں سے ساٹھ روپے گھر بھیجتے تھے اور صرف دس روپے میں اپنا مہینہ بھر کا خرچ چلاتے تھے، یہ حال اس وقت تھا جب کہ آپ کا کانپور کے ہر طبقہ میں اعزاز و احترام کیا جاتا تھا اور بڑے بڑے سرمایہ دار آپ سے متاثر تھے، لیکن آپ نے ان سب تعلقات کے باوجود اپنی صفت استغناء پر کبھی حرف نہ آنے دیا، آخری وقت تک آپ کے زہد و استغناء کا یہی حال رہا، آپ کے ترکہ میں شاید کتابوں کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر سامان یا جائیداد وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے۔

## حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا واقعہ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی افریقہ تشریف لے گئے،

وہاں لوگوں نے مختلف ہدیے تحفے لانے شروع کئے، اور دارالعلوم کے چندے کی بھی پیش کش کی، لیکن آپ نے یہ عام اعلان فرمادیا کہ میں یہاں دین کی کچھ باتیں سنانے کے لئے آیا ہوں، سب حضرات اس کے سننے کی طرف متوجہ ہوں کوئی صاحب نہ مجھے ذاتی طور پر کوئی ہدیہ پیش کریں اور نہ دارالعلوم کے لئے یہاں چندہ دیں، جو صاحب دارالعلوم کی اعانت کرنا چاہتے ہیں، وہ براہ راست اپنی رقم دارالعلوم کراچی کے پتے پر ارسال فرمادیں۔ چنانچہ تقریباً دو ماہ کے اس سفر میں آپ نے ان باتوں پر سختی کے ساتھ عمل فرمایا، اور چند انتہائی بے تکلف حضرات کے سوا جن سے آپ کے دیرینہ مراسم تھے، نہ کسی سے کوئی ہدیہ قبول کیا، اور نہ دارالعلوم کے لئے چندہ وصول فرمایا۔

اس اخلاص اور للہیت کا ثمرہ یہ تھا کہ دو ماہ کے اس دورے نے نہ جانے کتنے انسانوں کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا، بے نمازی لوگ نمازی بن گئے، بعض عادی قسم کے لوگوں نے ام الخبائث (شراب) سے توبہ کر لی، نوجوانوں نے دین سیکھنا شروع کر دیا، اور وہاں کے حضرات اب تک اس دورے کی حسین یادیں بھول نہیں پائے۔ (میرے والد میرے شیخ ۱۶۶)

## عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کا مثالی زہد

قریبی زمانہ کے بزرگوں میں حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کا زہد واستغناء زبان زد خاص و عام ہے، آپ نے اس دور میں ایسی زاہدانہ زندگی گذاری کہ دور صحابہؓ نظروں میں پھر گیا، دنیا کے دل دادہ لوگوں کی نگاہیں آپ کے زہد کو دیکھ کر خیرہ ہو گئیں، بلاشبہ آپ اس مادیت پرست دور میں سلف صالحین کی روایات کے امین تھے، جس کا ظاہری ثمرہ دنیا نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحبؒ کے لئے سارے عالم میں قبولیت اتاردی اور ایک خلق خدا آپ کے دامن فیض سے وابستہ ہو کر راہ ہدایت پر گامزن ہو گئی (آپ کی زندگی کی کچھ جھلکیاں اسی رسالہ کے اخیر میں ضمیمہ میں ملاحظہ فرمائیں)

## حضرت مولانا علی میاںؒ کا زہد

اسی دور میں ایک ایسی شخصیت کا کردار بھی سامنے آیا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیوی

ترقی کے تمام ذرائع پوری طرح کھول دئے تھے مگر اس شخصیت نے اپنے علمی وقار کے آگے دنیا کی چمک دمک کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا، یہ ذات تھی مفکر اسلام حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کی، جو اپنے وقت میں عالم اسلام کے مقبول ترین علماء میں تھے، بالخصوص عالم عرب کے بڑے بڑے امراء اور حکمراں آپ کے معتقد تھے، اگر آپ چاہتے تو اپنے اور اپنے اہل خاندان کے لئے مال و دولت کے ڈھیر لگا لیتے، مگر آپ نے اسلاف کی یاد تازہ کرتے ہوئے پوری بے نیازی اور استغناء کے ساتھ حیات طیبہ گزاری، آپ کو کئی بار لاکھوں روپے پر مشتمل ایوارڈ سے نوازا گیا مگر آپ نے یہ خطیر رقومات اپنی ذات کے بجائے علمی اور دینی اداروں اور مستحقین پر خرچ فرمادی، اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو منور فرمائے، آمین۔

الغرض دنیا اور اہل دنیا کے ساتھ اس طرز عمل نے ہمارے بڑوں کو وہ اوج ثریا عطا کیا ہے جس کی سر بلندی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور ان کی خدمات میں وہ برکتیں ظاہر ہوئی ہیں جن کا پھل ہم برابر سمیٹ رہے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ آج ہمارا طرز عمل اپنے اسلاف کے طرز عمل سے ہٹتا جا رہا ہے، آج محض ذاتی فائدہ کے لئے دنیا داروں کی خوشامد کار حجان روز افزوں ہے، اب صرف مال و دولت ہی کو ہم عزت و سر بلندی کا ذریعہ سمجھنے لگے ہیں اور اس مقصد کے لئے ہم نے اپنے علمی اور دینی منصب تک کو داؤ پر لگا دیا ہے، اہل دنیا سے خوش خلقی اور ان کے ساتھ حسن اخلاق کا برتاؤ ممنوع نہیں لیکن خطرہ کی چیز ان کے ساتھ اس طرح اپنے ذاتی اغراض وابستہ کرنا ہے جس سے وہ ہمیں اپنا محتاج سمجھنے لگیں، جو شخص مال داروں سے اس انداز کا تعلق رکھے گا وہ کبھی بھی آزادانہ طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا، اور نہ عند اللہ مقبولیت حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ قدم قدم پر اس کی ذاتی مصالح اڑے آتی رہیں گی، اور وہ مجبور ہو کر اپنی ذمہ داری سے پہلو تہی کرتا رہے گا۔ اسی بنا پر قرآن کریم میں جہاں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت و تبلیغ کا ذکر ہے وہاں اکثر ان کا یہ اعلان بھی نقل کیا جاتا ہے کہ: ”قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنَّ أَجْرِي إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ“ یعنی میں تم سے اپنی محنت پر کسی صلہ کا مطالبہ نہیں کرتا، میری خدمات پر تو

رب العالمین اجر عطا کرے گا، آج بھی ہم تجربہ کر کے دیکھ لیں لوگوں پر اسی شخص کی بات زیادہ اثر انداز ہوتی ہے جو بے غرض اور بے نیاز ہو کر وعظ و تذکیر کا فرض انجام دے۔

## حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ کا ایک قیمتی ملفوظ

امیر تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا ندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ انسان کو اپنے اندر سورج کی تین صفات پیدا کرنی چاہئے: (۱) ایک یہ کہ وہ مسلسل حرکت میں رہتا ہے، اس میں کبھی اضمحلال نہیں آتا ہے، اسی طرح ہمیں بھی اپنی دینی محنت برابر جاری رکھنی چاہئے۔ (۲) دوسرے یہ کہ سورج پورے عالم کو بلا کسی امتیاز کے روشنی پہنچاتا ہے، اسی طرح ہمارے ایمان کی روشنی بھی عالم گیر ہونی چاہئے۔ (۳) تیسرے یہ کہ وہ اپنی روشنی اور حرارت پر کبھی کسی اجرت اور معاوضہ کا طلب گار نہیں رہتا ہے، اسی طرح ہمیں بھی دین کے پہنچانے پر دنیا والوں سے کسی نفع کی امید نہ رکھنی چاہئے۔

حاصل یہ کہ علماء کی سر بلندی کا راز اسی زہد و استغناء میں مضمر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ”عِزُّ الْمُؤْمِنِ اسْتِغْنَاءُ عَنِ النَّاسِ“ یعنی لوگوں سے بے پرواہ ہونے میں ایمان دار کی عزت ہے۔ (مذاق العارفین ۲۳۶/۳)

یہ صفت ہماری پیشانی کا ٹیکہ اور دینی و دنیوی وجاہت و شرافت کی پختہ ضمانت ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ”علماء اگر زہد اختیار کریں تو بڑے بڑے جابر لوگوں کی گردنیں ان کے آگے جھک جائیں لیکن یہ لوگ اپنے علم کو دنیا داروں پر اس نیت سے خرچ کرتے ہیں تاکہ ان کو کچھ مل جائے، اسی وجہ سے لوگوں کی نظروں سے گر گئے“۔ (تاریخ مشائخ چشت ۱۴۲)

## مال و دولت کی عزت عارضی ہے

اس کے برخلاف دنیا کا یہ مال و دولت ہمارے لئے عزت کی چیز نہیں بل کہ یہ سخت آزمائش ہے، جس میں خال خال ہی افراد کھرے اترتے ہیں۔ روایت ہے کہ جب کسریٰ کے خزانے سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں مدینہ منورہ لائے گئے تو حضرت عبداللہ ابن ارقمؓ نے



عرض کیا کہ یہ مال بیت المال میں تقسیم کے لئے رکھ دیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں اسے کسی چھت کے نیچے نہیں رکھوں گا تا آں کہ اسے تقسیم نہ کر دوں، چنانچہ وہ خزانے مسجد نبوی کے صحن میں رکھ دئے گئے اور رات بھر لوگ اس کی حفاظت کرتے رہے، صبح کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ خزانے کھولے تو ان میں سونے اور چاندی کے سکوں پر نظر پڑی تو آپ رونے لگے، یہ دیکھ کر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! آپ کیوں روتے ہیں؟ آج تو شکر خداوندی اور فرحت و شادمانی کا دن ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ”بات یہ ہے کہ یہ مال و دولت جب بھی کسی قوم کو دیئے گئے ہیں تو ان میں آپس میں بغض و عداوت ڈال دی گئی ہے“۔ (اس خطرہ سے مجھے رونا آ رہا ہے) (کتاب الزہد ۶۶۵)

غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ خزانے جنہیں دیکھ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنی آنکھوں پر قابو نہ رکھ سکے تھے، آج ہمارے لئے سب سے پسندیدہ بن گئے ہیں، جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ ہمارے قلوب بدل گئے، دوسروں کو برداشت کرنے کی قوت جاتی رہی، اور ادارے تنظیمیں اور جماعتیں مقابلہ آرائی کے میدان میں تبدیل ہو گئیں۔ حتیٰ کہ ایک ہی مکتب فکر کے افراد کا اتحاد و اتفاق خواب و خیال بن کر رہ گیا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔





## سخاوت اور مہمان نوازی

دنیا سے بے رغبتی اور استغناء کا اثر سخاوت کی شکل میں بھی ظاہر ہوتا ہے جو شخص جتنا زیادہ دنیا سے بے رغبت ہوگا، اتنا ہی خوش دلی سے جو دو سخا کرنے والا ہوگا، یہ صفت شرافت کی سب سے مقبول ترین صفت ہے۔ احادیث طیبہ میں بھی اس کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

○ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”سخی شخص اللہ سے قریب ہوتا ہے جنت سے قریب ہوتا ہے، لوگوں سے قریب ہے اور جہنم سے دور ہے۔ اور اس کے برخلاف بخیل شخص اللہ سے دور سے جنت سے دور ہے لوگوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے۔“ (اور بے علم سخی اللہ کے نزدیک بخیل عبادت گزار سے زیادہ پسندیدہ ہے۔) (الترغیب والترہیب ۲۵۸/۳)

○ ”سخاوت اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین صفت ہے۔“ (الترغیب والترہیب ۲۵۹/۳)

○ اللہ کے ہر ولی کی طبیعت سخاوت اور خوش خلقی پر ہی ڈھالی جاتی ہے۔ (الترغیب

والترہیب ۲۵۹/۳)

○ نیز فرمایا کہ سخی گھرانے کی طرف رزق خداوندی اتنی تیزی سے متوجہ ہوتا ہے جتنے میں

چھری اونٹ کے کوہان کاٹنے میں کارگر نہیں ہوتی۔ (الترغیب والترہیب ۲۶۰/۳)

اس کے مقابلہ میں بخل اور کنجوسی انسان کو ذلت کے گڑھے میں ڈال دیتی ہے اور اس کی وجہ سے

اس کی بڑی بڑی صفات پر پردہ پڑ جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں جو کبھی سچے ایمان دار میں جمع نہیں ہوتیں۔ (۱) بخل (۲) بد خلقی۔ (الترغیب والترہیب ۲۵۸/۳)

○ ایک حدیث میں ہے کہ: ”کنجوسی سے زیادہ اسلام کو مٹانے والی صفت اور کوئی نہیں ہے۔“ (الترغیب والترہیب ۲۵۷/۳)

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کی صفت سخاوت سے متصف تھے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی کسی نے سوال کیا تو آپ نے سائل کو منع نہیں فرمایا۔“ (شمائل ترمذی ۲۴)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سخاوت کا سب سے زیادہ مظاہرہ رمضان المبارک میں ہوتا تھا، جب آپ حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا دور فرماتے تھے تو آپ کی سخاوت کا ایسا زور ہوتا تھا گویا کہ بارانِ رحمت کی ہوائیں چل رہی ہیں۔“ (شمائل ترمذی ۲۴)

ایک صحابیہ حضرت ربیع بنت معوذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: ”میں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تازہ کھجوروں کا ایک گچھا اور چند چھوٹے چھوٹے کھیرے لے کر گئی تو آپ نے اس کے بدلہ میں مجھے مٹھی بھر کر زیور اور سونا عطا فرمایا۔“ (شمائل ترمذی ۲۴)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کچھ سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے تم میری طرف سے کسی سے قرض لے لو جب میرے پاس ہوگا تو ادا کر دوں گا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے اسے خواہ مخواہ دے دیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی وسعت سے زیادہ کا مکلف تو نہیں بنایا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا ناگوار گذرا، یہ دیکھ کر ایک انصاری صحابی نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! آپ بے فکر ہو کر

خرچ کیا کریں اور عرش کی مالک ذات یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کمی کا خوف نہ کریں، انصاری صحابیؒ کی یہ بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر تبسم پھیل گیا اور روئے انور سے بشارت نمایاں ہوگئی اور فرمانے لگے کہ مجھے اسی بات کا حکم ہوا ہے۔ (شمائل ترمذی ۲۴)

در اصل یہ سخاوت توکل کی علامت ہے جس شخص کے دل میں جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ پر توکل ہوگا اتنا ہی وہ سخاوت کی صفت سے متصف ہوگا۔

## صحابہ کرامؓ کی سخاوت

حضرات صحابہؓ کی زندگیوں میں سخاوت کا عنصر بہت نمایاں تھا، اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، حاجت مندوں کی حاجت روائی کرنا، اسی طرح مہمانوں کی ضیافت کا جذبہ ان کی طبیعت میں رچا اور بسا ہوا تھا، ان صفات میں ہر فرد ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا جس کے پاس جو کچھ ہوتا وہ سائل کو محروم نہ کرتا، غربت کا زمانہ ہو یا مال داری کا، تنگی ہو یا وسعت کا، ہر حال میں جو دوسخاء کے تسلسل میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آتی تھی، حضرات صحابہؓ کے حالات اس قسم کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں جن کو بیان کرنے کے لئے مستقل کتاب چاہئے۔ (اس سلسلہ کے متعدد واقعات احقر کی تالیف: ”اللہ سے شرم کیجئے“، صفحہ ۱۷۰ تا ۱۸۶ میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں)

## سیدنا حضرت زین العابدینؑ کی جو دو عطا

خانوادہ نبوت کے چشم و چراغ سیدنا حضرت زین العابدینؑ کا جب وصال ہوا تو آپ کو غسل دینے والوں نے آپ کی پیٹھ پر کالے کالے نشانات دیکھے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ان آٹے کی بور یوں کے نشانات ہیں جنہیں آپ رات میں اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لے جاتے اور مدینہ منورہ کے فقراء اور محتاجوں کو تقسیم کر کے آتے تھے۔ (العلم والعلماء ۲۷۲)

آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ خود اپنے آپ کو خیل سمجھتے تھے، لیکن جب آپ کا وصال ہوا تو معلوم ہوا کہ مدینہ کے سو غریب گھرانوں کا خرچہ آپ ہی چلاتے تھے، محمد ابن اسحاق کہتے ہیں کہ

مدینہ کے کچھ لوگ ایسے تھے کہ انھیں پتہ نہ چلتا تھا کہ ان کی روزی کہاں سے آتی ہے۔ (رات میں چپکے سے کوئی دے جاتا تھا) جب حضرت زین العابدین کا وصال ہوا تو یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ (العلم والعلماء ۲۷۵)

حضرت زین العابدینؑ فرمایا کرتے تھے کہ: جس آدمی میں یہ وصف ہو کہ مانگنے والوں کو اپنا مال دیا کرتا ہو وہ سخی نہیں ہے، بلکہ سخی وہ ہے کہ جو حقوق اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل طاعت کے لئے لکھ دئے ہیں ان کو بدون طلب پہلے ہی پہنچا دیا کرے، اور نفس میں اس پر شکر یہ لینے کی خواہش نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامل ثواب ملنے کا یقین ہو۔ (مذاق العارفین ۳/۲۷۷)

## امام اعظم ابوحنیفہؒ کے واقعات

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، دیکھا کہ شرکاء مجلس میں ایک شخص کے کپڑے پھٹے پرانے ہیں تو آپ نے اسے بیٹھے رہنے کا حکم دیا، تا آنکہ دیگر اہل مجلس چلے گئے تو آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ اپنے مصلے کے نیچے جو کچھ ہو اسے لے لو اور اپنی ضروریات میں صرف کر لو، اس نے جب مصلی اٹھایا تو اس میں ایک ہزار درہم نکلے جسے وہ لے کر چلا گیا۔ (العلم والعلماء ۳۰۶)

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ قرض کی وجہ سے قید ہو گئے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے ان کا سارا قرضہ جو چار ہزار درہم سے زیادہ تھا اپنی طرف سے ادا کر کے انہیں قید سے رہائی دلائی۔ (العلم والعلماء ۳۰۶)

اسماعیل بن حماد کہتے ہیں کہ جب امام ابوحنیفہؒ کے صاحب زادے حضرت حمادؒ استاذ کے پاس سورہ فاتحہ پڑھنے کے لائق ہو گئے تو امام صاحب نے ان کے استاذ کو پانچ سو درہم (اور ایک روایت میں ہے کہ ایک ہزار درہم) بطور ہدیہ ارسال فرمائے تو وہ استاذ صاحب حیرت میں پڑ گئے اور کہنے لگے کہ میں نے کون سا ایسا کام کیا ہے کہ مجھے اتنا زیادہ انعام دیا گیا؟ امام صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ خود ان استاذ صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے اور معذرت کے انداز میں ارشاد فرمایا کہ ”جناب! آپ نے میرے بچے کو جو سکھایا ہے اسے حقیر نہ سمجھئے، اللہ کی قسم اس وقت ہمارے پاس اور زیادہ ہوتا تو ہم قرآن کی تعظیم میں اسے بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے“۔ (عقود الجمان ۲۳۳)

واقعی یہ ہے سخاوت اور قرآن کی عظمت جس نے امام صاحبؒ کو مقبولیت کی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ایک بڑی خصوصیت جس کی مثال شاذ و نادر ہی ملتی ہے، یہ تھی کہ آپ اپنے ہم عصر علماء و مشائخ پر بے دریغ خرچ فرمایا کرتے تھے اور خود ان کی ضروریات کا خیال فرماتے تھے، آپ کا یہ معمول تھا کہ مشائخ کے نام پر سامان تجارت بغداد بھیجتے اور وہاں سے ضرورت کا سامان منگواتے اور اس تجارت میں جو نفع ہوتا وہ اکابر علماء و مشائخ اور محدثین کے لئے سال بھر جمع کرتے رہتے، پھر اس رقم سے ان مشائخ کی ضروریات زندگی؛ کپڑے، غلہ جات وغیرہ خرید کر ان حضرات کے گھر پہنچاتے اور پھر بھی اگر رقم بچ جاتی تو وہ نقد کی صورت میں ان کو پیش فرمادیتے، اور یہ کہتے کہ ان سے آپ اپنی روزمرہ کی ضرورتیں پوری فرمائیں، اور اللہ کے علاوہ کسی کا شکر نہ ادا کریں، اس لئے کہ میں اپنے مال میں سے آپ کو کچھ نہیں دیتا، یہ تو اللہ کا فضل ہے یہ آپ ہی کے سامان کا نفع ہے، اللہ کی قسم یہ تو اللہ تعالیٰ نے بس میرے ذریعہ آپ تک پہنچایا ہے اور کچھ نہیں۔ (عقود الجمان ۲۳۳)

مسعر بن کدّام سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دستور تھا کہ جب بھی اپنے اہل و عیال کے لئے کچھ خریدتے تو اتنا ہی دیگر علماء عظام کے لئے بھی خرید فرماتے، جب کپڑا بناتے تو پہلے علماء و مشائخ کے لئے انتظام فرماتے، حتیٰ کہ اگر پھل فروٹ خریدنے ہوتے تو پہلے مشائخ کے یہاں خرید کر بھجواتے، پھر اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے خریدتے تھے۔ (عقود الجمان ۲۳۴)

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ بہت زیادہ خیر خیرات کرنے والے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے میرے پاس اس قدر کثیر مقدار میں ہدیہ بھیجا کہ مجھے اس کی زیادتی سے ناگواری ہوئی جس کا ذکر میں نے امام صاحبؒ کے بعض شاگردوں سے کیا تو ان شاگردوں نے کہا یہ تو کچھ نہیں ہے، اگر آپ وہ ہدیہ دیکھ لیتے جو امام صاحب نے سعید بن عمروؒ کو بھیجا ہے (تو اس کی کثرت کے مقابلہ میں) اپنے ہدیہ پر کچھ تعجب نہ کرتے۔ (عقود الجمان ۲۳۴)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے سب پہچان کے لوگوں پر

نہایت خرچ کرنے والے تھے، کبھی آپ کسی کو پچاس دینار دیتے پھر اگر وہ لوگوں کے سامنے شکر یہ ادا کرتا، تو آپ کو سخت افسوس ہوتا، اور آپ فرماتے کہ بھائی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، یہ رزق آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ (عقود الجمان ۲۳۵)

امام ابو یوسفؒ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”میرے استاذ امام ابو حنیفہؒ نے میرے اور میرے گھر والوں کا مکمل خرچ دس سال تک اپنے پاس سے ادا فرمایا ہے اور میں نے آپ سے زیادہ نیک صفات کا جامع کسی شخص کو نہیں دیکھا“۔ (عقود الجمان ۲۳۵)

حسن بن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ ”میں امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا، انہوں نے اپنے شاگردوں کی ہر ایک جماعت کا ماہانہ وظیفہ اپنی طرف سے مقرر کر رکھا تھا اور سالانہ تحفہ و تحائف کا معمول اس کے علاوہ تھا“۔ (عقود الجمان ۲۳۵)

عبداللہ بن بکر سہمیؒ فرماتے ہیں کہ ”ایک مرتبہ مکہ جاتے ہوئے راستہ میں میرا اونٹ والے سے کرایہ پر جھگڑا ہو گیا، امام صاحبؒ بھی سفر میں ہمراہ تھے، وہ اونٹ والا فیصلہ کے لئے مجھے امام صاحبؒ کے پاس لے گیا، امام صاحبؒ نے ہم دونوں کے بیانات سنے، پھر پوچھا کہ اصل اختلاف کتنی مقدار میں ہے، اونٹ والے نے کہا کہ چالیس درہم میں، تو امام صاحبؒ نے تعجب سے فرمایا کہ لوگوں کی مروّت بالکل ہی جاتی رہی (کہ چالیس درہم پر جھگڑا ہونے لگا) عبداللہ کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ کی اس وسعت ظرفی پر میں تو شرمندہ ہو گیا اور امام صاحبؒ نے اپنی طرف سے اونٹ والے کو چالیس درہم ادا فرمائے“۔ (عقود الجمان ۲۳۷)

امام صاحبؒ کے اس طرز عمل کو سامنے رکھ کر آج ہمیں اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم ایک ایک روپیہ پر رکشہ والوں سے لڑتے نظر آتے ہیں، ویسے چاہے کتنے روپے خرچ کر لیں گے لیکن رکشہ والے کو ایک روپیہ زائد دیتے ہوئے نہ جانے کیوں جان نکلتی ہے۔

## حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے چند واقعات

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جن کے مقام مقبولیت کا ذکر بار بار گذشتہ اوراق میں آچکا ہے،

ان کے حالات میں لکھا ہے کہ اپنی آمدنی کا بڑا حصہ وقت کے علماء اور مشائخ پر خرچ فرمایا کرتے تھے، آپ کی سالانہ خیرات کا تخمینہ ایک لاکھ درہم لگایا گیا ہے۔ (کتاب الزہد مقدمہ ۵۰)

ایک مرتبہ ایک شخص جو سات سو درہم کا مقروض تھا، حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے پاس آیا اور اپنے قرض کی ادائیگی میں مدد کی درخواست کی، حضرت نے اسے ایک تحریر لکھ دی اور کہا کہ فلاں جگہ میرے منشی سے جا کر یہ لکھی ہوئی رقم وصول کر لو، وہ شخص پرچہ لے کر آپ کے منشی کے پاس پہنچا، پرچہ میں سات ہزار درہم لکھے ہوئے تھے، منشی نے اس شخص سے پوچھا کہ تم نے کتنے درہم کی بات کی تھی؟ اس نے کہا کہ میں نے سات سو درہم مانگے تھے، تو منشی یہ سمجھا کہ حضرت سے سہواً سات سو کے بجائے سات ہزار لکھے گئے ہیں اس لئے اس شخص کو انتظار کرنے کو کہا کہ میں تمہیں تحقیق کر کے بتاتا ہوں اور حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے پاس رقعہ لکھ کر بھیجا کہ شاید آں جناب سے سہواً سات ہزار لکھے گئے ہیں اب آپ جیسا فرمائیں ویسا معاملہ کیا جائے، اس پر حضرت عبداللہ بن مبارکؓ نے اپنے منشی کو لکھا کہ ”جب یہ تحریر تمہارے پاس پہنچے اور تم اسے سمجھ کر پڑھ لو تو اس شخص کو ۱۴ ہزار درہم ادا کر دو“۔ تو اس منشی نے جواب لکھا کہ ”اگر یہی طرز عمل رہا تو بہت جلد سارا سرمایہ جاتا رہے گا“، منشی کے اس جواب پر حضرت عبداللہ بن مبارکؓ ناراض ہو گئے اور لکھا کہ ”اگر تم میرے منشی ہو تو میرا حکم نافذ کر دو، اور اگر تم مجھے اپنا منشی سمجھتے ہو تو آؤ تم میری جگہ بیٹھو میں تمہاری مسند پر رونق افروز ہوں گا اور تمہارے حکم کی تابع داری کروں گا“۔ (کتاب الزہد مقدمہ ۴۸)

حضرت عبداللہ بن مبارکؓ جب سفر میں تشریف لے جاتے تو اپنے ساتھیوں کو کچھ خرچ نہ کرنے دیتے، بل کہ ان کی سب ضروریات خود پوری فرماتے اور قسم قسم کے کھانوں کا ان کے لئے انتظام فرماتے۔ بہت سی مرتبہ حج کے اسفار میں بھی آپ نے ساتھیوں کا مکمل خرچہ برداشت کیا، حتیٰ کہ ان کے تحفے تحائف بھی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں خود خرید کر عطا فرمائے۔ (کتاب الزہد مقدمہ ۴۶)

## حضرت نانوتویؒ کی سخاوت

ہمارے اکابر میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جہاں دیگر اوصاف



حمیدہ میں اپنی مثال آپ تھے، وہیں سخاوت میں بھی آپ امتیازی مقام پر فائز تھے، مہمانوں کی کثرت اور مہمان نوازی کے اہتمام میں اپنی معمولی سی تنخواہ میں جب گزارا نہ ہوا تو اپنی اہلیہ کا زیور بیچ ڈالا، اہلیہ بھی تابعدار تھیں بخوشی اجازت دیدی، اور پوری زندگی مہمان نوازی میں اپنے شوہر نامدار کا تعاون کرتی رہیں، حضرت نانوتویؒ خود فرمایا کرتے تھے کہ ”ہماری سخاوت تو احمد کی والدہ (آپ کی اہلیہ محترمہ) کی بدولت ہے“۔ (بیں بڑے مسلمان ۱۱۸)

## حضرت شیخ الہندؒ کی مہمان نوازی

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہ کی مہمان نوازی بھی ضرب المثل ہے، ”ارواحِ ثلاثہ“ میں لکھا ہے کہ: مولانا شیخ الہند میں تواضع اور مہمان نوازی کی خاص شان تھی، اور اس میں مسلم اور غیر مسلم اور امیر یا غریب کا کوئی امتیاز نہ تھا، بلکہ جو بھی مہمان آپ کے یہاں آتا تھا آپ اس کی نہایت خوشدلی سے خبر گیری فرماتے اور اسے آرام پہنچانے میں دلی مسرت محسوس فرماتے تھے۔

## حضرت شیخ الاسلامؒ کی سخاوت

پھر یہ صفت آپ کے محبت و محبوب شاگرد رشید اور سچے جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی طرف اس طرح منتقل ہوئی کہ جو دو سخا اور آپ کا اسم گرامی گویا کہ دونوں لازم ملزوم بن گئے، جہاں بھی حضرت مدنیؒ کا نام لیا جاتا ہے وہاں آپ کی سخاوت و فیاضی اور مہمان نوازی کا تصور قائم ہو جاتا ہے، عام طور پر آپ کے دسترخوان پر ۴۰، ۵۰ مہمان شریک طعام ہوتے تھے، اور آپ دل و جان سے نہایت بشاشت کے ساتھ ان مہمانوں کی خبر گیری فرماتے، بعض لوگ اپنے کام سے دیوبند آتے اور حضرتؒ کے یہاں کھانے کے وقت پہنچ جاتے لیکن حضرت پر قطعاً ناگواری نہ ہوتی، اگر کوئی آپ سے ملنے والا شخص دیوبند آتا اور کسی دوسرے کے پاس ٹھہر جاتا یا کھانا کھا لیتا تو معلوم ہونے پر آپ باز پرس فرماتے، بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ کسی مہمان کے زیادہ ٹھہر جانے پر مہمان خانہ کے بعض خدام نے اسے عار دلادی تو حضرت مدنیؒ کو انتہائی غصہ

آیا اور خدام کے طرز عمل پر سخت تنبیہ فرمائی، آپ خود ہمیشہ مہمانوں کے ساتھ کھانا اور ناشتہ تناول فرماتے، اخیر عمر میں جب ڈاکٹروں نے آپ کو پرہیز کے لئے بڑا گوشت کھانے سے منع کر دیا اور چھوٹے جانور کا گوشت کھانے کی تاکید کی تو آپ نے اس وقت تک ڈاکٹر کے مشورے کو قبول نہ کیا جب تک کہ سب مہمانوں کے لئے چھوٹے گوشت کا انتظام نہ ہو گیا۔ الغرض مہمان نوازی کا ایسا جذبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا کہ اپنا سب کچھ مہمان پر لٹا دینے کے لئے تیار رہتے تھے، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ سردی کے زمانہ میں اپنا لحاف مہمان کو دے دیا اور خود عبا اوڑھ کر رات گزاری، اکثر فرمایا کرتے کہ میری خواہش ہے کہ میرے گھر میں مہمانوں کی ضروریات کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہو، علاوہ ازیں سفر میں تشریف لے جاتے تو کوشش فرماتے کہ ساتھیوں کا ٹکٹ سے لے کر قیام و طعام تک کا صرفہ خود برداشت کریں۔ مدینہ منورہ سے کجوریں آتیں تو پورے ہندوستان میں اپنے خاص متعلقین کو اہتمام کے ساتھ ہر سال متعینہ حصہ ارسال فرمایا کرتے اور پھر باوجودیکہ مدرسہ کی تنخواہ کے علاوہ آپ کی کوئی مستقل آمدنی نہ تھی آپ کتنے غریب مسکینوں اور بیوگان کو اپنی جانب سے ذاتی طور پر ماہانہ وظیفہ ارسال فرماتے اور جو شخص بھی آپ سے سوال کرتا اسے کبھی رد نہ فرماتے اور وسعت کے مطابق اس کی امداد فرماتے، بسا اوقات دوسروں کی طرف سے قرض ادا کرنے کے مواقع بھی آئے اور آپ نے اپنے متعلقین کے قرض ادا فرما کر اکابر و اسلاف کی سنت زندہ کرنے کی سعادت حاصل کی، آپ کی بے مثال فیاضی کی بنیاد یہ تھی کہ آپ کی نظر میں یہ دنیا کی زیب و زینت ٹھیکروں سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی، آپ پوری زندگی اس سے اعراض ہی فرماتے رہے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

الحمد للہ آج بھی آپ کے جانشین سیدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم کے وسیع دسترخوان پر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی فیاضی کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

## حضرت رائے پوریؒ کے دسترخوان کی وسعت

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا دسترخوان بھی بہت وسیع تھا، عام طور پر ۵۰، ۶۰ بل کہ بسا اوقات سو سو مہمان موجود رہتے، اور حضرت خوش دلی سے ان

کے قیام و طعام کا انتظام فرماتے اور خصوصی مہمان ہوتے تو ان کے لئے حسب موقع تکلفات بھی ہوتے، روپیہ پیسہ کے ساتھ آپ کا معاملہ یہ تھا کہ اکثر جو بھی نذرانہ آتا، چاہے کم ہو یا زیادہ خادموں میں سے جو بھی حاضر ہوتا اسے عنایت فرمادیتے، آپ کے خادم حاجی فضل الرحمن خاں کا بیان ہے کہ: ”کئی لاکھ روپے حضرت نے صرف میرے ہاتھوں سے دوسروں کو دلوائے ہیں“ جو اہل علم حضرات آپ کی خدمت میں آتے، چلتے وقت کرائے کے نام پر گراں قدر رقم انہیں عطا فرماتے۔ (بیس بڑے مسلمان ۶۲۸)

## حضرت شیخ الحدیثؒ کی فیاضی

شیخ الحدیث حضرت قطب عالم مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی فیاضی اور مہمان نوازی بھی مشہور و معروف ہے، اخیر زمانہ میں رمضان المبارک کے علاوہ عام دنوں میں بھی سیکڑوں مہمان آپ کے دسترخوان پر موجود ہوتے اور ضیافت کے ساتھ ساتھ ضرورت مندوں اور متعلقین کو نقد ہدایا سے وقتاً فوقتاً سرفراز فرماتے رہتے جس کی تفصیلات خود آپ کے خلفاء نے بیان فرمائی ہیں۔ (دیکھئے حضرت شیخ الحدیثؒ اور ان کے خلفاء کرام)

## حضرت فقیہ الامتؒ کی سخاوت

یہی منظر راقم الحروف نے حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ کے یہاں دیکھا، کتنے غریب طلباء آپ کے وظائف پر تعلیم حاصل کرتے اور کوئی بھی ضرورت مند آجاتا تو اسے محروم نہ فرماتے، اور آپ کے خدام تو برابر آپ کے عطایا سے سرفراز ہوتے رہتے تھے۔ ان حضرات اکابر رحمہم اللہ کی زندگیاں ہمارے لئے قابل تقلید اور لائق اتباع ہیں، ہمیں چاہئے کہ ان اخلاق کو اپنا کر دنیا اور آخرت میں کامیابی اور فلاح کے مستحق بنیں، اور جس صفت میں اپنے اندر کوتاہی پائیں اسے دور کرنے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

## ایک آسان طریقہ

اللہ کی راہ میں خرچ کی عادت ڈالنے کے لئے ایک نسبت آسان اور سہل طریقہ نظر سے گذرا

جو مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا معمول تھا، آپ کے صاحب زادے حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی فرماتے ہیں:

”آپ کا یہ معمول تھا کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے علاوہ آپ کے پاس جب بھی کوئی رقم آتی تو اس کا ایک معین حصہ فوراً مصارف خیر میں خرچ کرنے کے لئے علیحدہ فرما لیتے تھے، اور طے یہ کیا ہوا تھا کہ آمدنی اگر محنت سے حاصل ہوئی ہے تو اس کا بیسواں حصہ (پانچ فیصد) اور اگر کسی محنت کے بغیر حاصل ہوئی ہے (مثلاً انعام، ہدیہ تحفہ وغیرہ) تو اس کا دسواں حصہ فوراً علیحدہ نکال لیا جائے، آپ کے پاس ہر قسم کی رقم کے اخراجات کی الگ الگ مدیں مقرر تھیں ایک صندوقچی میں مختلف تھیلے یا لفافے رکھے رہتے تھے، جس پر اس مکان نام درج ہوتا تھا، مثلاً: ”خانگی اخراجات، آمد و رفت کے اخراجات“ وغیرہ۔ اسی صندوقچی میں ایک تھیلا آپ کے پاس ہمیشہ رہتا تھا جس پر ”صدقات و مبرات“ لکھا رہتا تھا، تنگ دستی کا زمانہ ہو یا فراخی کا، آمدنی کا مذکورہ حصہ آپ فوراً اس تھیلے میں رکھ دیتے تھے، اور جب تک یہ حصہ ”صدقات و مبرات“ کے تھیلی میں نہ چلا جاتا اس وقت تک اس آمدنی کا استعمال نہیں فرماتے تھے، اگر دس روپے بھی کہیں سے آئے ہیں تو فوراً اس کے چھوٹے نوٹ بدلوا کر ایک روپیہ اس تھیلے میں رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس طریقہ کار کی برکت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی خیرات کا مصرف سامنے آتا ہے تو اس وقت سوچنا نہیں پڑتا کہ اس میں رقم کہاں سے دی جائے، بل کہ یہ صدقات و مبرات کا تھیلا ہر وقت یاد دہانی کراتا رہتا ہے کہ اس کا کوئی مصرف تلاش کیا جائے۔“ (میرے والد میرے شیخ ۱۵۵)

آج ہمارا حال یہ ہے کہ اولاً انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ اور داعیہ ہی پیدا نہیں ہوتا اور کبھی ہوتا بھی ہے تو ہاتھ خالی ہونے کی وجہ سے تمناد دل ہی دل میں رہ جاتی ہے، ایسی صورت میں اگر ہم بھی اپنی آمدنی کا کچھ فیصدی حصہ لازمی طور پر علیحدہ نکال کر اللہ کی راہ میں خرچ کا اپنے آپ کو عادی بنالیں تو بڑی برکت کی چیز ہوگی، اگر ارادہ کر لیا جائے تو یہ بڑا مشکل کام نہیں اور اس کے فوائد اتنے ہیں جو الفاظ میں بیان نہیں کئے جاسکتے۔ اسی طرح صدقہ جاریہ میں بھی حتی الوسع بڑہ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا معمول تھا کہ جب بھی کہیں مسجد کی تعمیر کی خبر سننے تو

اس میں کچھ نہ کچھ حصہ لینے کی کوشش کرتے، اپنے مدرسہ میں دو کمرے اپنے خرچ سے تعمیر کرائے اور انہیں مسجد پر وقف کر دیا، بہت سی کتابیں مدرسہ کے کتب خانے پر وقف فرمائیں اور اپنا ذاتی کتب خانہ بھی وقف فرما دیا جو اس وقت کم از کم ایک لاکھ روپے کی مالیت کی کتابوں پر مشتمل تھا۔

(میرے والد میرے شیخ ۱۵۷)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔





## ورع و تقویٰ

مقبولیت عند اللہ کے لئے حرام اور مشتبہ معاملات سے حتی الامکان احتراز کرنا بھی لازم ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ ایمان والوں کو تقویٰ کا حکم فرمایا ہے، اور اس کو عزت و شرافت کا معیار بتایا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ”إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ“ (بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ تم میں اللہ سے ڈرنے والا ہو) احادیث طیبہ میں بھی جا بجا تقویٰ کی تاکید فرمائی گئی ہے، ایک حدیث میں آپ نے ایک صحابی کو وصیت فرمائی کہ: ”اتَّقِ اللَّهَ فَإِنَّهُ أَزِينُ لَأَمْرِكَ كُفْلَهُ“ (اللہ سے ڈرتے رہو، اس لئے کہ یہ صفت تمہارے تمام دینی اور دنیوی معاملات اور افعال کو مزین اور خوب صورت بنانے والی ہے، تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ کے خوف سے تمام معاصی اور حرام کاموں سے اپنے کو بچالے، اور یہ بات جہی حاصل ہو سکتی ہے جب کہ حرام کے ساتھ ساتھ بہت سی ایسی باتوں سے بھی بچے جو دیکھنے میں درجہ جواز میں آسکتی ہیں اسی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

بے شک حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح  
ہے، اور ان دونوں کے درمیان میں مشتبہ چیزیں  
ہیں جن کا حکم اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ہے، لہذا  
جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچ رہا وہ اپنے دین  
إِنَّ الْحَالَ بَيْنَ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيْنَ  
وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ  
كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنْ اتَّقَى  
الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعَرَضِهِ

وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ. (مسلم شریف، ۲۸/۲)

وعزت کو بچالے گا اور جو شبہ کی چیزوں میں مبتلا ہو گیا وہ (انجام کار) حرام میں مبتلا ہو جائے گا۔

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط

خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شبہ کی چیزوں سے بچنے کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے اس کا اندازہ آپ کے اس ارشاد سے ہو سکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”میں کبھی گھر والوں کے پاس جاتا ہوں تو اپنے بستر پر کوئی کھجور پڑی پاتا ہوں تو اور اسے کھانے کے لئے اٹھا بھی لیتا ہوں لیکن پھر مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ صدقہ کی نہ اس لئے اسے وہیں ڈال دیتا ہوں“، اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”انسان اس وقت تک متیقن کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ حرج والی چیزوں سے بچنے کے لئے بہت سی ایسی چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن کے انجام دینے میں (بظاہر) کوئی حرج نہیں ہے“۔ (ترمذی، جامع العلوم والحکم، ۷۳)

## حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”تقویٰ کا کمال یہ ہے کہ رائی کے دانے کے برابر بھی گناہ سے بچے اور اپنے اور حرام کے درمیان پر وہ قائم کرنے کے لئے بہت سی حلال چیزیں بھی چھوڑے رکھے“۔

## حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”متقی لوگوں میں تقویٰ اسی وقت باقی رہے گا جب تک کہ وہ حرام سے بچنے کے لئے مباحات کو ترک کرتے رہیں گے“۔ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ ”متیقن کا نام متیقن اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ ایسے امور سے بچتے ہیں جن سے عام طور پر بچا نہیں جاتا“۔ (جامع العلوم والحکم، ۷۳)

الغرض اللہ کے دربار میں قبولیت حاصل کرنے کے لئے ورع و تقویٰ ایک ناگزیر امر ہے،

اور دنیا میں جو مبارک ہستیاں بھی مقبولیت کے منصب پر فائز ہوئی ہیں ان کی زندگیوں میں ورع و تقویٰ کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔

## سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ

سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے غلام نے آپ کے سامنے کھانا پیش کیا، آپ بھوکے تھے اس لئے آپ نے تحقیق کئے بغیر کھانا نوش فرمایا، بعد میں غلام سے پوچھا کہ یہ کھانا تم کہاں سے لائے تو اس نے جواب دیا کہ زمانہ جاہلیت میں میں نے ایک قبیلہ میں جھاڑ پھونک کی تھی انہوں نے مجھے اس کی اجرت دینے کا وعدہ کر رکھا تھا، آج میرا ان کے پاس سے گذر ہوا تو وہاں کوئی خوشی کی تقریب ہو رہی تھی تو انہوں نے مجھے یہ کھانا دے دیا۔ یہ سن کر سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے تو تو مجھے ہلاک کر دیتا اور ہاتھ ڈال ڈال کر سارا کھانا قے فرما دیا۔ اور جو کچھ اندر رہ گیا تو پانی پی کر پھر نکالتے جاتے تا آن کہ پورا معدہ اس شبہ کے کھانے سے صاف کر لیا۔ (العلم والعلماء ۱۳۷) (غالباً شکر کی کلمات سے اس نے جھاڑ پھونک کی ہوگی، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا معمول تھا)

## سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ورع و تقویٰ

خلیفہ راشد سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ورع و تقویٰ کا ایک ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ جب آپ خلیفہ بنے تو آپ کی اہلیہ محترمہ فاطمہ جو خلیفہ عبدالملک کی بیٹی تھیں ان کے بیش قیمت زیورات کے متعلق آپ نے صاف فرما دیا کہ اے فاطمہ! دو میں سے ایک بات اختیار کر لو، یا اپنے زیور مجھے دیدو میں انہیں بیت المال میں جمع کر دوں گا یا پھر میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، اس لئے کہ یہ بات مجھے ناپسند ہے کہ میں اور زیورات ایک گھر میں رہیں۔ آپ کی اہلیہ نے بھی کمال جاں نثاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ یہی نہیں اس سے کئی گنا زیادہ بھی زیورات ہوں تو بھی میں انہیں آپ پر ترجیح نہیں دے سکتی، چنانچہ وہ زیورات حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لے کر بیت المال میں جمع کرادئے۔ (جامع العلوم والحکم ۲۸۵)



## امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ورع و تقویٰ

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ورع و تقویٰ ضرب المثل ہے، آپ کے تمام معاصر کھلے الفاظ میں گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے اپنے دور میں امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ متقی نہیں دیکھا، علی بن حفص کہتے ہیں کہ حفص ابن عبدالرحمن امام ابوحنیفہؒ کے کاروبار میں شریک تھے، ایک مرتبہ امام صاحبؒ نے ان کے پاس کچھ سامان فروخت کے لئے بھیجا اور کہا کہ اس میں ایک کپڑا ہے جس میں فلاں عیب ہے، اس لئے جب اسے فروخت کریں تو گا ہک سے عیب بیان کر دیں۔ اتفاق یہ ہوا کہ حفص بن عبدالرحمن نے وہ سب سامان بیچ ڈالا اور عیب بتانا بھول گئے اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ کس نے وہ کپڑا خریدا ہے، جب امام ابوحنیفہؒ کو یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے عیب بتائے بغیر سامان بیچ دیا ہے تو آپ نے اس کی ساری آمدنی صدقہ فرمادی، جس کی مقدار بیس ہزار درہم تھی، اور حفص ابن عمر سے کاروباری شرکت ختم کر دی۔ (عقود الجمان ۲۴۱)

ایک مرتبہ کوفہ میں کچھ لوگ بکریاں کہیں سے لوٹ مار کر کے لائے اور انہیں کوفہ کے بازار میں فروخت کر دیا، وہ بکریاں شہر کی بکریوں میں رل مل گئیں، اور لوٹ کی بکریوں کی شناخت باقی نہ رہی، جب امام ابوحنیفہؒ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ بکری زیادہ سے زیادہ کتنے سال زندہ رہ سکتی ہے تو لوگوں نے جواب دیا کہ سات سال، تو آپ نے کوفہ میں رہتے ہوئے سات سال تک بکری کا گوشت تناول نہیں فرمایا، کہ کہیں یہ وہی چرائی ہوئی بکری کا گوشت نہ ہو۔ (عقود الجمان ۲۴۲)

اسی طرح ایک مرتبہ آپ ایک گھر کی دیوار کے قریب دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے، تنگی ابن ابی زائدہ وہاں سے گذرے، امام صاحبؒ کو وہاں بیٹھا دیکھ کر انہوں نے کہا کہ حضرت! دھوپ میں بیٹھنے کے بجائے قریب میں دیوار کے سائے میں تشریف فرما ہوتے تو بہتر ہوتا۔ امام صاحبؒ نے جواب دیا کہ میرا اس گھر کے مالک پر قرض ہے اگر میں اس کی دیوار کے سایہ سے فائدہ اٹھاؤں گا تو مجھے اندیشہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ قرض پر نفع اٹھانے کی وعید میں داخل ہو جائے گا، اور میں اسے گوکہ عام لوگوں پر واجب نہیں سمجھتا، لیکن بات یہ ہے کہ عالم کو اپنے علم پر دوسروں سے زیادہ عمل پیرا ہونا چاہئے۔ (عقود الجمان ۲۴۳)

## امام احمد بن حنبلؒ کا عبرت انگیز واقعہ

امام احمد بن حنبلؒ کے واقعات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ تین دن سے بھوکے تھے، کسی سے آپ نے آٹا بطور قرض لیا، گھر والے آپ کی حالت سے واقف تھے انہوں نے جلدی کی وجہ سے آپ کے صاحب زادے صالح (جو سرکاری ملازم تھے) کے تنور میں آپ کی روٹی پکادی، آپ نے پوچھا کہ یہ روٹی کہاں پکائی گئی ہے تو گھر والوں نے بتادیا کہ آپ کے صاحب زادے کا تنور پہلے سے جل رہا تھا اس میں ہم نے پکائی تو آپ نے سرکاری آمدنی (جو عموماً ظالم حکمرانوں کے جبریہ ٹیکس وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے) سے بچتے ہوئے اس تنور میں پکی ہوئی روٹی کھانے سے انکار فرما دیا۔ (العلم والعلماء، ۳۳۶)

## حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کا ورع و تقویٰ

امام وقت عبداللہ بن مبارکؒ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شام کے سفر میں میں نے کسی سے ایک قلم عاریہ لیا پھر اسے واپس کرنا بھول گیا، جب واپس اپنے وطن ”مرو“ پہنچا تو دیکھا کہ وہ قلم میرے ساتھ آ گیا، تو میں دوبارہ سفر کر کے شام گیا اور قلم کے مالک کو اس کا قلم واپس کیا (حالاں کہ اس زمانہ میں یہی لکڑی کے قلم ہوتے تھے، قیمتی قلموں کا تصور بھی نہ تھا) آپ کا مشہور مقولہ ہے کہ ”شبه کے مال کا ایک درہم رد کرنا میرے نزدیک چھ لاکھ درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے“۔ (مقدمہ کتاب الزہد، ۴۵)

یہ اللہ کے مقبول بندوں کے ورع و تقویٰ کی چند جھلکیاں ہیں جن سے باسانی اس نتیجے تک پہنچا جاسکتا ہے کہ ان حضرات کو اپنے بلند منصب کا کس قدر خیال تھا اور انہوں نے اپنی دینی عزت بچانے کے لئے کس قدر خواہشات اور لذتوں اور راحتوں کو ترک کرنے کی عادت ڈالی تھی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی خدمات میں ایسی برکتیں ظاہر ہوئیں کہ دنیا انگشت بدندان رہ گئی، بعد کے لوگوں میں سے بھی جن خوش نصیب حضرات نے ان پاک بازنفوس کی زندگیوں کو رہنما بنایا اور ان کی صفات اپنانے کی کوششیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بھی قبولیت کے دروازے کھول دئے۔

## میانجی نور محمدؒ کا تقویٰ

حضرت میاں جی نور محمدؒ جھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک شخص نہایت خوش گلو تھے اور نعت وغیرہ پڑھا کرتے تھے، کسی نے حضرت میاں جیؒ سے عرض کیا کہ حضرت یہ صاحب بڑے خوش آواز ہیں ان سے نعت سن لیجئے، آپ نے کمال احتیاط کا مظاہرہ فرماتے ہوئے جواب دیا کہ ”لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں اور غناء بلا مزامیر کے اندر بھی علماء کا اختلاف ہے، اس لئے اس کا سننا خلاف احتیاط ہے، لہذا میں اس کے سننے سے معذور ہوں۔“ (ارواحِ ثلاثہ ۱۹۱)

## حضرت مولانا مظفر حسینؒ کا ورع و تقویٰ

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کا ندھلوی رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر ورع و تقویٰ میں ضرب المثل تھے، ان کی انتہائی احتیاط کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ جب کسی کرایہ کی سواری پر سوار ہونے کا ارادہ فرماتے تو سوار ہونے سے پہلے مالک کو اپنا سارا سامان دکھا دیتے تھے، اس کے بعد اگر کوئی شخص اپنا خط بھی لاتا (کہ اسے فلاں جگہ دے دینا) تو فرما دیتے کہ بھائی! میں نے سارا اسباب مالک کو دکھا دیا ہے اور یہ اس میں نہیں ہے لہذا تم مالک سے اجازت لے لو۔ (ارواحِ ثلاثہ ۲۱۳)

یہ احتیاط آپ کی طبیعت میں اس قدر رچ اور بس گئی تھی کہ حرام کے شبہ والے لقمہ کو بھی آپ کا معدہ قبول نہ کرتا تھا، اگر کبھی بھول یا غلطی سے مشتبہ مال کھا بھی لیتے تو فوراً قے ہو جاتی تھی۔ زمانہ طالب علمی میں آپ نے کئی سال سالن سے روٹی نہ کھائی، دریافت کرنے پر فرمایا کہ دہلی کے اکثر سالنوں میں کھٹائی پڑتی ہے، اور آموں کی بیج ناجائز طریقہ پر ہوتی ہے اس لئے میں سالن نہیں کھاتا۔ (ارواحِ ثلاثہ ۲۱۸)

## حضرت نانوتویؒ کی کمال احتیاط

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو حرام اور مشتبہ کھانے سے نفرت تھی اور اس کا

احساس بھی جلدی فرمالتے تھے، دل داری کی وجہ سے گوکہ ہر ایک کی دعوت قبول فرمالتے لیکن اگر حرام کا شبہ ہوتا تو واپس آ کر تے فرمادیتے۔ (ایضاً ۲۵۰)

## حضرت گنگوہیؒ کا تقویٰ

قطب عالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جب آپ کی عمر پچیس سال کی ہوئی اور آپ اپنی موروثی جائیدادوں کے متصرف اور وارث ہوئے تو آپ نے سارے کاغذات کو ملاحظہ فرمایا اور آپ کے دادا نے (جو زیادہ متشرع نہ تھے) رہن کی جو زمینیں قبضہ میں کر رکھی تھیں اور ان سے آمدنی حاصل کی جا رہی تھی، ان سب کی آمدنیوں کا حساب لگایا، اور اصل مالکوں کو نہ صرف یہ کہ ان کی زمینیں واپس کر دیں بل کہ اگر ان زمینوں سے قرض کی رقم سے زائد آمدنی ہوئی تھی تو اسے بھی اصل مالکوں کو لوٹا دیا اور اس سلسلہ میں اپنا مال خرچ کیا، حتیٰ کہ اہلیہ کا زیور بھی بیچ ڈالا تاکہ ناسحق اور حرام آمدنی سے حفاظت ہو اور دوسروں کا حق اپنی گردن پر نہ رہے۔ (بیس بڑے مسلمان ۱۶۲، تذکرۃ الرشید ۵۷)

## حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ورع و تقویٰ کی ایسی مثالیں اور نمونے پیش فرمائے ہیں جو بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے واقعی مینارہ نور اور ذریعہ ہدایت ہیں۔ آپ سفر میں مقررہ وزن سے زائد سامان محصول ادا کئے ہرگز نہ لے جاتے۔ ایک مرتبہ سہارن پور سے کان پور جاتے ہوئے کچھ گتے ساتھ تھے، آپ انہیں اسٹیشن پر تلوانے لگے تو ریلوے کا کوئی ملازم تولنے پر تیار نہ ہوا، حتیٰ کہ غیر مسلم بھی کہنے لگے کہ حضرت! اسے تلوانے کی ضرورت نہیں، ویسے ہی لے جائیے، ہم گارڈ سے کہہ دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ گارڈ کہاں تک جائے گا، جو اب ملا کہ یہ غازی آباد تک جائے گا اور وہاں دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا جو آپ کے ساتھ کان پور تک جائے گا، جہاں آپ کا سفر ختم ہو جائے گا، آپ فرمانے لگے بل کہ وہاں میرا سفر ختم نہ ہوگا بل کہ آگے ایک سفر آخرت بھی ہے وہاں کا انتظام کیا ہوگا؟۔ (بیس بڑے مسلمان ۳۵۳)

افسوس! آج ایسے اہل تقویٰ کے دیدار کو آنکھیں ترستی ہیں، بے ٹکٹ سفر کرنا اور محصول ادا کئے بغیر سامان لانا لے جانا معیوب نہیں بل کہ کمال سمجھا جاتا ہے اور قطعاً اس کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ بھی حق تلفی ہے۔ یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ٹی ٹی اور ریلوے ملازم کو کچھ پیسے دے کر بلا ٹکٹ سفر کرنا بھی جائز نہیں ہے، ایک مرتبہ ایک غریب طالب علم حضرت تھانویؒ کے ساتھ ٹکٹ لئے بغیر ٹرین پر سوار ہو گیا، اگلے اسٹیشن پر جب گارڈ سے ٹکٹ لینے گیا تو گارڈ نے کہہ دیا کہ تم غریب آدمی ہو ویسے ہی سفر کرو ٹکٹ کی ضرورت نہیں ہے، اس نے یہ بات حضرت تھانویؒ سے آکر نقل کر دی، حضرت نے فرمایا کہ یہ گارڈ ریلوے کمپنی کا مالک نہیں ہے بل کہ ملازم ہے، لہذا اسے یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی مسافر کو بلا ٹکٹ ریل پر سوار کرے، اس لئے جاؤ اور ٹکٹ لے کر سفر کرو۔ (بیں بڑے مسلمان ۳۵۳)

اسی طرح نچلے درجہ کا ٹکٹ لے کر اوپر کے درجہ میں سفر کرنا، نیز اگر کسی کو پاس ملا ہو تو اس کے ذریعہ قانونی اجازت سے زیادہ افراد کو مفت سفر کرانا یا مدت ختم ہو جانے کے بعد اس سے سفر کرنا، یہ سب چیزیں شرعاً جائز نہیں ہیں اور جذبہ ورع و تقویٰ کے خلاف اور مقام مقبولیت کے منافی ہیں۔ اگر کبھی سفر میں ایسی صورت پیش بھی آجائے تو حساب لگا کر بعد میں زائد رقم کے ٹکٹ خرید کر ضائع کر دینے چاہئیں، تاکہ حکومت کے خزانے تک استحقاقی رقم پہنچ جائے۔

## شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

شیخ العرب والعجم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے کمال ورع و تقویٰ کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ دفتر جمعیت علماء ہند دہلی (گلی قاسم جان) میں تشریف فرما تھے، نماز عصر کا وقت آیا تو خدام نے جماعت کی غرض سے چٹائیاں بچھا دیں، حضرت جب نماز کے لئے باہر تشریف لائے اور نئی چٹائیوں پر نظر پڑی تو مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ کی طرف مخاطب ہو کر پر مسرت لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ ناظم اعلیٰ صاحب نے بہت اچھا انتظام فرمایا ہے، حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ یہ ناظم صاحب کا انتظام نہیں بل کہ آپ کے خادم چودھری عبدالرحمن کی عقیدت ہے جو کہ چٹائیاں فروخت کرتے ہیں، انہوں نے ہی اس وقت (فروخت کی)

چٹائیاں بچھادی ہیں، یہ بات سن کر حضرتؒ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا، اور اپنی جگہ سے ہٹ کر فرمایا کہ ”ان چٹائیوں کو اٹھا دو“۔ خدام نے عرض کیا کہ عبدالرحمن نے اپنی خوشی سے بچھائی ہیں، حضرت نے فرمایا نہیں وہ ان کو غیر مستعمل بتا کر فروخت کرے گا، چنانچہ چٹائیاں اٹھادی گئیں اور دفتر کی چٹائیوں پر نماز ادا کی گئی۔ (حیرت انگیز واقعات ۷۹)

آپ باوجودیکہ جمعیتہ علماء ہند کے بااختیار صدر تھے، لیکن کبھی اپنے ذاتی استعمال کے لئے جمعیتہ علماء کا لیٹر پیڈ استعمال نہ فرماتے بل کہ آپ اپنے لئے نہایت عمدہ کاغذ کا لیٹر پیڈ خود اپنے مصارف سے تیار کرواتے تھے اسی پر خطوط لکھتے، بل کہ جمعیتہ علماء کے متعلق امور بھی اپنے ہی کاغذ پر رقم فرماتے، اپنا ذاتی خرچ آپ نے کبھی جماعت پر نہیں ڈالا، اور اپنے خدام کو تاکید فرماتے رہے کہ ”جماعتی اور غیر جماعتی خرچ میں ہمیشہ امتیاز رکھا جائے“۔ (حیرت انگیز واقعات ۷۹)

دارالعلوم دیوبند میں درس کے دوران حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایام درس کے علاوہ کبھی ایک دن کی تنخواہ بھی مدرسہ سے قبول نہیں فرمائی، حتیٰ کہ استحقاقی اتفاقیہ اور عیال کی رخصتوں سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا، بل کہ بسا اوقات مدرسہ کے کام کے سلسلہ میں سفر فرماتے تو بھی سفر کے ایام کی تنخواہ نہ لیتے تھے۔ (حوالہ بالا ۸۰)

## مدرسہ کے مال میں احتیاط

ہمارے اکابر رحمہم اللہ اگرچہ دینی خدمات انجام دینے کے لئے مدارس سے متعلق رہے، اور ضرورت کی بنا پر ان کی انتظامی ذمہ داریاں بھی انجام دیں لیکن مدارس کے اموال اور املاک کے بارے میں جس قدر احتیاط برتی، آج اس کی مثالیں ملنی مشکل ہیں۔ درحقیقت اسی احتیاط اور ورع و تقویٰ نے ان کی خدمات کو قبولیت کے اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا تھا، ان کی زندگیاں ہمارے لئے مشعل راہ ہونی چاہئیں۔ ذیل میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قیمتی ملفوظ نقل کیا جاتا ہے جس سے حضرات اکابر کی زندگیوں کی ایک جھلک معلوم ہو سکتی ہے، حضرت فرماتے ہیں:

”مدرسہ کا مال جو ہے بہت خطرناک ہے، بڑے حضرت (مولانا عبدالرحیم صاحب) رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اور کسی کام سے نہیں لگتا، اس وجہ سے کہ ہم مدرسہ کے مال کے مالک نہیں ہیں، امین ہیں۔ ہمارے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا، اپنے تعلق کی وجہ سے اگر کسی کی خیانت کو معاف کرو گے تو تم بھی پکڑے جاؤ گے، میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں شروع زمانہ میں بھٹیارے کے یہاں سے کھانا آیا کرتا تھا، جامع مسجد کے پاس ایک اسماعیل نامی بھٹیارا تھا جو بہت نیک تھا، مسجد سے مدرسہ تک لاتے ہوئے (کھانا) ٹھنڈا ہو جاتا تھا، والد صاحب کھانے کو مدرسہ کے حمام کے قریب رکھوا دیتے تھے جس سے وہ گرم ہو جاتا تھا تو والد صاحب مہینہ کے اختتام پر ایک روپیہ مدرسہ میں امداد کے نام پر جمع کرا دیا کرتے تھے کہ یہ وقف کے مال سے انتفاع ہو۔ ایک معمول حضرت سہارن پوری کا سنا ہے اگر چہ دیکھا نہیں وہ یہ ہے کہ مدرسہ میں صدر مدرس کے لئے قالین بچھایا جاتا تھا، حضرت جب سبق سے فارغ ہو جاتے تو قالین پر سے اٹھ کر دوسری جگہ بیٹھ جاتے حضرت اقدس شیخ المشائخ الحاج احمد علی صاحب محدث سہارن پوری بخاری، ترمذی، کتب حدیث کے محشی اور مشہور عالم محدث ہیں، جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے چندے کے سلسلہ میں کلکتہ تشریف لے گئے کہ وہاں مولانا کا اکثر قیام رہا ہے اور وہاں کے لوگوں سے وسیع تعلقات تھے تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کے آمدورفت کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا تو وہ رجسٹر میں نے خود پڑھا، اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا، اگر چہ وہاں چندہ خوب ہوا لیکن میرے سفر کی نیت دوست سے ملنے کی تھی اس لئے وہاں کی آمدورفت کا اتنا کرایہ آمدورفت سے وضع کر لیا جائے۔

میرے پیارو! ان ہی چیزوں کی وجہ سے مدرسہ اس درجہ پہنچا ہے، تم تقویٰ اختیار کرو گے تو مدرسہ کے مال میں احتیاط رہے گی، یہ نہ سمجھو کہ کوئی ٹوکنے

والا نہیں، اس سے خلاصی نہیں ہوگی، حقوق العباد کی معافی اللہ کے یہاں نہیں ہوتی، کہ یہ بڑی سخت چیز ہے، جیسے تو اللہ کا بندہ ہے جس کا حق مارا ہے وہ بھی اللہ کا بندہ ہے، دو پیسے کے مقابلہ میں سات سو مقبول نمازیں لے لی جائیں گی، اگر اتنی نمازیں مقبول نہیں ہیں تو اس کے بقدر گناہ سر پر ڈال دئے جائیں گے۔

میرے پیارو! حقوق العباد سے بہت ڈرتے رہو، اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے اور میرے حضرت رائے پوری کی برکت سے مجھے پہلے ہی دن سے تنخواہ سے وحشت ہو گئی تھی، حضرت نے فرمایا تھا کہ اللہ توفیق دے تو مدرسہ کی تنخواہ چھوڑ دیجو! اللہ کا شکر ہے جو لی تھی وہ بھی ادا کر دی، میرے اکابر کا معمول مدرسہ کے معاملہ میں بہت احتیاط کارہا ہے۔ تمہارے اوپر مدرسہ کا کوئی جانی و مالی حق باقی نہ رہے، تم تو یہی سوچو، ہمیں مدرسہ کے معاملہ میں کیا کرنا چاہئے، باقی تمہارا کوئی حق مدرسہ پر رہ گیا ہو تو اس کا خیال نہ کرو، اللہ کے یہاں بہت کچھ ملے گا۔

(ملفوظات شیخ ۱۶۱، ۲۶۲)

ایک دوسرے ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں:

”ہمارے یہاں مظاہر علوم میں سالانہ جلسہ میں مدرسین کھانا مدرسہ کے کھانے میں سے نہیں کھاتے تھے، بل کہ اپنے اپنے گھروں سے منگا کر کھاتے تھے۔ اسی طرح حضرت ناظم صاحب ”مطبخ کے سالن کی جانچ جو طلبہ کے لئے بنتا تھا خود نہ چکھتے تھے بل کہ کسی طالب علم ہی سے چکھواتے تھے، اسی طرح مدرسہ کے مہمانوں کے لئے جو پان بنتے تھے اس میں سے نہیں کھاتے تھے بلکہ اپنے گھر سے منگواتے تھے، بعض دفعہ مہتمم صاحب تین تین دن مدرسہ میں رہتے ان کا کھانا گھر سے آتا تھا معمولی سالن دال ہوتی ایک طرف بیٹھ کر ٹھنڈا کھا لیتے تھے، جلسہ میں شرکت کے لئے حضرت مدنی، حضرت رائے پوری تشریف لاتے تو یہ میرے خصوصی مہمان بنتے مدرسہ کا کھانا نوش نہ فرماتے“۔ (ملفوظات شیخ ۱۶۳)



## آئیے محاسبہ کریں!

حضرات اکابر اولیاء اللہ کے طرز عمل کو سامنے رکھ کر ہمیں خود اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ خود ہمارا ورع و تقویٰ کس معیار کا ہے؟ اور خاص کر مدارس اور قومی و ملی اداروں کی آمدنیوں میں کس قدر لاپرواہی پن کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، اور اپنے ذاتی مفادات کس طرح قومی ملکیت سے استحقاق سے زیادہ حاصل کئے جاتے ہیں؟ اس جانب سنجیدگی سے غور کرنا ضروری ہے، ہمارا یہ مزاج بنتا جا رہا ہے کہ ہم ادارے کا کچھ حق ادا کریں یا نہ کریں ہمیں ہمارا حق بلا کم و کاست بلکہ ضابطہ سے بھی زیادہ ملنا چاہئے، آج مدارس میں تعلیمی انحطاط کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ ہمیں اپنے حقوق کی فکر تو ہے مگر فرائض اور ذمہ داریوں سے پہلو تہی عام ہو گئی ہے، اوقات درس کا اتنا اہتمام نہیں ہے جتنا ہونا چاہئے! استاد جیسا کرتے ہیں طلبہ کا بھی وہی مزاج بن جاتا ہے، اس لئے خود ہمیں ایسا نمونہ پیش کرنا چاہئے جو ہمارے شاگردوں کے لئے بھی رہنما اور لائق تقلید ہو۔

## حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ کا معمول

مشہور بزرگ حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہ کا معمول تھا کہ اگر کوئی شخص دورانِ درس ویسے ہی بات چیت کرنے آتا تو فوراً گھڑی دیکھتے کہ اتنے بج کر اتنے منٹ پر آیا ہے اور جب وہ بات کر کے واپس جاتا تو پھر گھڑی دیکھتے اور یہ پورا وقت ایک کاغذ پر جو حضرت کی کتاب میں رکھا رہتا تھا لکھ لیتے اور مہینہ کے ختم پر روزانہ کا حساب جمع کرتے اور جتنے گھنٹے اور دن بنتے اس کی اطلاع دفتر میں بھیج دیتے، کہ اتنے گھنٹے یا اتنے دن کی میری تنخواہ وضع کر لی جائے۔ (ملفوظات فقہ الامت ۹۴۱)

ذرا غور فرمائیں کیا اوقات کا یہ اہتمام ہماری زندگیوں میں پایا جاتا ہے؟ اگر اس میں کوتاہی ہے تو ہمیں جلد از جلد اس نقص کو دور کرنا چاہئے۔ ورع و تقویٰ کا تقاضا یہی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق سے سرفراز فرمائے، آمین۔





## خوف و خشیت

قاسم بن محمدؒ کا بیان ہے کہ ہم لوگ عبداللہ بن مبارکؒ کے ساتھ سفر میں جا رہے تھے، تو میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ آخر کیا بات ہے جس کی بنا پر یہ عبداللہ بن مبارکؒ ہم سب پر فائق ہیں اور لوگوں میں شہرت کے اس بلند مقام پر پہنچ گئے ہیں، یوں تو وہ بھی ویسی ہی نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں، یہی حال روزہ، جہاد اور حج کا بھی ہے، پھر آخر ان میں کون سی خوبی ہے؟ میں اسی سوچ میں تھا کہ ایک مرتبہ ہم ملک شام کے راستہ میں ایک گھر میں کھانا کھانے بیٹھے کہ اچانک چراغ گل ہو گیا، ہم میں سے ایک ساتھی باہر چراغ لینے گیا، جب وہ چراغ لے کر واپس آیا اور چراغ کی روشنی میں میری نظر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے چہرے پر پڑی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی پوری داڑھی آنسوؤں سے تر ہے، یہ دیکھ کر میں نے سمجھ لیا کہ اسی خوف و خشیت کی وجہ سے عبداللہ بن مبارکؒ کو یہ مقام مقبولیت حاصل ہوا ہے۔ شاید انہوں نے اندھیرے سے قیامت کی اندھیروں کا تصور کر لیا ہوگا جس کی بنا پر رقت طاری ہوگئی۔ (مقدمہ کتاب الزہدہ ۲۵)

مقبولیت عند اللہ کے لئے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہونا لازم ہے، بغیر خوف و خشیت کے انسان گناہوں سے بچ نہیں سکتا، اور جو گناہوں سے نہ بچ سکے وہ خواہ کتنا ہی مقبولیت کا ڈھونگ رچائے، حقیقی مقبولیت کی ہوا بھی نہیں پاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ خوف و خشیت نہایت قابل قدر ہے، قرآن کریم میں اہل جنت کی جو اہم صفات بیان کی گئی ہیں ان میں خوف و خشیت کی صفت بھی

امتیازی شان رکھتی ہے۔ سورۃ النازعات میں فرمایا گیا ہے:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى  
النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ  
الْمَأْوَىٰ (سورۃ النازعات)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے  
ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا سو جنت  
اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

اور سورہ مؤمنون میں ارشاد فرمایا گیا:

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ  
مُشْفِقُونَ. (سورۃ المؤمنون)

البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ  
رکھتے ہیں۔

اسی طرح اصحاب معرفت علماء کا وصف خاص یہ بیان کیا گیا۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ  
الْعُلَمَاءُ. (سورۃ الفاطر)

اللہ سے ڈرتے ہیں اس کے بندوں میں جن کو  
سمجھ ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ عالم وہ شخص ہے جو خلوت  
اور جلوت میں اللہ سے ڈرے اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے وہ اس کو مرغوب ہو اور جو  
چیز اللہ کے نزدیک مبعوض ہو اس کو اس سے نفرت ہو۔ (معارف القرآن ۷/۳۳۷)

ربیع بن انسؒ نے فرمایا کہ جس کے دل میں اللہ کی خشیت نہ ہو وہ عالم کہلانے کے لائق نہیں  
ہے۔ (قرطبی ۷/۳۰۷)

اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بہت سی باتیں بیان کر دینے کا نام علم نہیں  
بل کہ علم وہ ہے جس کے ساتھ خشیت کی زیادتی ہو۔ (معارف القرآن ۷/۳۳۷)

سفیان ثوریؒ کا مقولہ ہے کہ اللہ کا خوف ہی انسان کو عبادت کا حوصلہ اور قوت بخش سکتا ہے۔  
(العلم والعلماء ۳۵۸)

## اللہ کے خوف سے رونا

اللہ تعالیٰ کی خشیت سے دل نرم ہو جاتے ہیں جس کا اظہار گرم گرم آنسوؤں سے ہوتا ہے، پھر

یہ آنسو کے قطرات زندگی بھر کے گناہوں کی آگ کو لچھوں میں بجھا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو خشیت کے اثر سے نکلے ہوئے آنسو کے قطرے بڑے محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اللہ کی خشیت سے اس کی آنکھیں بھرا آئیں، یہاں تک کہ زمین پر اس کے آنسو گر پڑے تو اس کو قیامت میں عذاب نہیں دیا جائے گا۔“ (الترغیب والترہیب ۲۲۸/۴)

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جو شخص اللہ کے خوف سے رویا ہوگا وہ جہنم میں نہ داخل ہوگا۔ یہاں تک کہ جانور کے تھن سے نکلا ہوادودھ دوبارہ تھن میں نہ چلا جائے۔ (یعنی جس طرح تھن میں دوبارہ دودھ جانا محال ہے اسی طرح اس شخص کا جہنم میں جانا بھی محال ہے)۔“ (الرقمۃ والربکا ۴۱، الترغیب والترہیب ۲۲۹/۴)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: اَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ. (کیا اس بات سے تم تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو) تو اسے سن کر ”اصحاب صفہ“ اتاروئے کہ ان کے آنسو ان کے چہروں اور رخساروں پر بہنے لگے، جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آواز سنی تو آپ کو رونا آ گیا اور آپ کو روتا دیکھ کر سب اہل مجلس بھی گریہ و بکاء میں مبتلا ہو گئے، اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کے ڈر سے رونے والا جہنم میں نہ جائے گا اور گناہ پر اصرار کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا، اور اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم پیدا فرمائیں گے جو گناہ کرے گی پھر اللہ تعالیٰ اسے مغفرت سے سرفراز فرمائیں گے، (تا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت غفاری کا ظہور ہو)۔ (الترغیب والترہیب ۲۲۹/۴)

## پیغمبر علیہ السلام کی خشیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ صفت خشیت سے متصف تھے، ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ: ”میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ مبارک سے ایسی آواز آرہی تھی گویا کہ چکی چل رہی ہو، اور ایک روایت میں ہے کہ: ایسی آواز تھی گویا کہ دیکھی میں کوئی چیز پک رہی ہو“۔ (الترغیب والترہیب ۲۳۲/۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے: ”دو عظیم چیزوں کو کبھی مت بھولنا“، ہم نے عرض کیا کہ وہ دو عظیم چیزیں کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (۱) جنت۔ (۲) اور جہنم۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے بعض حالات ذکر فرمائے، پھر اس قدر روئے کہ آپ کے مبارک آنسو آپ کی داڑھی کے دونوں طرف بہنے لگے، اور اخیر میں یہ ارشاد فرمایا کہ: ”اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر تمہیں آخرت کے ان حالات کا علم ہو جائے جن کو میں جانتا ہوں تو تم (ناز و نعم چھوڑ کر) جنگلوں میں چلے جاؤ، اور اپنے سروں کو خاک آلود بنا لو“۔ (الرقۃ والبکاء، ۹۷)

سالم بن عبداللہ مرسل روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کبھی کبھی یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي عَيْنَيْنِ هَطَّالَتَيْنِ  
تَبْكِيَانِ بِذُرُوفِ الدَّمْعِ  
وَتَشْفِيَانِي مِنْ حَشِيَّتِكَ مِنْ قَبْلِ  
أَنْ تَكُونَ الدُّمُوعُ دَمًا وَالْأَضْرَاسُ  
جَمْرًا. (الرقۃ والبکاء، ۵۸)

اے اللہ: آپ مجھے ایسی آنکھیں عطا فرمائیں جو  
آپ کے ڈر کی وجہ سے بہت زیادہ آنسو بہا کر  
میرے دل کو سکون بخشیں قبل اس کے کہ آنسو  
خون میں اور ڈاڑھیں خشک ٹھیکروں میں تبدیل  
ہو جائیں (یعنی موت آجائے)

## سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رقت قلبی

امیر المؤمنین سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ انتہائی رقیق القلب تھے، بالخصوص قرآن کریم کی تلاوت کے وقت آپ بے قابو ہو جاتے (حلیۃ الاولیاء ۱۱، ۳۰، الرقۃ والبکاء ۱۵) اور ساتھ میں خوف و خشیت کا حال یہ تھا کہ کبھی فرماتے ”کاش میں ایک پودا ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا“۔ کبھی اپنی زبان پکڑ کر فرماتے: ”اسی نے خطرہ کے مواقع پر لاکھڑا کیا ہے“۔ (العلم والعلما، ۱۳۶)

## سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جذبہ خوف و خشیت

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس قدر روتے تھے کہ آپ کے چہرہ انور پر آنسوؤں سے دوکالی دھاریاں بن گئی تھیں، کبھی آپ زمین سے تنکا اٹھاتے اور فرماتے: ”کاش! میں یہ تنکا ہوتا،

کاش! میری پیدائش ہی نہ ہوئی ہوتی، کاش! میری ماں نے مجھے جنا نہ ہوتا، کاش! میں کچھ بھی نہ ہوتا، کاش! میرا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔ آپ کا یہ مقولہ مشہور تھا کہ: ”اگر میدانِ محشر میں یہ اعلان ہونے لگے کہ اے لوگو! ایک آدمی کے سوا تم سب لوگ جنت میں چلے جاؤ، تو مجھے خطرہ ہے کہ وہ رہ جانے والا آدمی شاید میں ہی ہوں، اگر یہ اعلان ہونے لگے کہ اے جہنمیو! ایک آدمی کے سوا تم سب جہنم سے نکل جاؤ تو مجھے امید ہے کہ وہ ایک آدمی میں ہی ہوں گا۔“ (العلم والعلماء ۱۶۵)

## حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تضرع و زاری

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شدتِ خشیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اتنا روئے کہ میں نے خود دیکھا کہ آپ اپنے آنسوؤں کو چلو میں بھر بھر کر دوسری طرف ڈال رہے تھے۔ (العلم والعلماء ۲۰۱)

## سیدنا حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خشیت

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ جب وضو فرماتے تو آپ کا رنگ پیلا پڑ جاتا، گھر والے پوچھتے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو آپ جواب دیتے کہ تمہیں کیا پتہ کہ میں کس کے سامنے کھڑے ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں، اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو کپکپی طاری ہو جاتی، پوچھا گیا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: تمہیں پتہ نہیں میں کس کے سامنے کھڑا ہو کر مناجات کروں گا۔ (العلم والعلماء ۲۷۱)

## حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خشیت کا عالم

خلیفہ راشد سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ روئے، انہیں دیکھ کر ان کی اہلیہ فاطمہ بھی رونے لگیں، اور دیگر گھر کے لوگ بھی رونے لگے، مگر یہ کسی کو پتہ نہ تھا کہ کیا چیز رلانے کا سبب بنی؟ جب افاقہ ہوا تو فاطمہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ امیر المؤمنین! آپ کس وجہ سے روئے تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ تصور آ گیا تھا کہ ایک دن ساری کائنات

کے لوگ اللہ رب العزت کے سامنے حاضر ہوں گے اور ان میں ایک فریق جنتی ہوگا اور ایک جہنمی، اور یہ فرما کر ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ (العلم والعلماء ۷۲۸)

## حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے چند واقعات

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ کے رونے کی آوازیں گھر کے باہر تک سنائی دیتی تھیں، حتیٰ کہ آپ کے پڑوسی آپ کی حالت پر ترس کھانے لگتے، یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم ہم نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجالست و مصاحبت اختیار کی جب میں آپ کے چہرے کو دیکھتا تھا تو فوراً مجھے احساس ہو جاتا تھا کہ وہ اللہ رب العزت سے ڈرنے والے ہیں، قاسم بن معن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات میں امام ابوحنیفہؒ نے یہ آیت پڑھی: ”بَلِ السَّاعَةِ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَىٰ وَأَمْرٌ“ (سورۃ القمر ۴۶) (بل کہ قیامت ہے ان کے وعدہ کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور بہت کڑوی) تو پوری رات نہایت گریہ و زاری کے ساتھ یہی آیت دہراتے رہے۔ (عقود الجمان ۲۲۴)

عبدالرزاق بن ہمام کہتے ہیں کہ میں جب بھی امام ابوحنیفہؒ کو دیکھتا تو آپ کی آنکھوں اور رخساروں پر رونے کے آثار محسوس کرتا تھا، یزید بن کثیر جو خود بھی اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہؒ اللہ تعالیٰ سے انتہائی خشیت فرمانے والے تھے۔ ایک مرتبہ علی بن حسین موذن نے عشاء کی نماز میں سورۃ زلزال پڑھائی، امام ابوحنیفہؒ بھی جماعت میں شریک تھے، جب نماز ختم ہوئی اور لوگ چلے گئے تو میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ متفکر بیٹھے ہیں اور ان کا سانس تیز چل رہا ہے، میں نے سوچا کہ مجھے یہاں سے اٹھ جانا چاہئے تاکہ ان کی یکسوئی میں کوئی خلل نہ آئے، چنانچہ میں چراغ جلتا چھوڑ کر مسجد سے چلا آیا، پھر صبح صادق کے وقت میں مسجد پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہیں اور اپنی داڑھی پکڑ کر یہ دعا کر رہے ہیں کہ ”اے وہ ذات جو رائی کے دانے کے برابر بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دیتی ہے اور اے وہ ذات جو رائی کے دانے کے برابر برائی کا بدلہ برائی سے دینے والی ہے تو اپنے بندے نعمان

(ابوحنیفہؒ) کو جہنم اور جہنم سے قریب کرنے والی چیزوں سے نجات عطا فرما، اور اپنی وسعت رحمت میں اسے داخل فرما۔“ (عقود الجمان ۲۲۵)

یحییٰ بن نصر کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب امام ابوحنیفہؒ کے دوست تھے جس کی بنا پر میں کبھی کبھی امام صاحبؒ کے یہاں رات میں سو جاتا تھا تو میں دیکھتا کہ امام ابوحنیفہؒ پوری رات نماز میں مشغول رہتے اور میں چٹائی پر ان کے آنسوؤں کے گرنے کی آواز اس طرح سنا کرتا تھا گویا کہ بارش ہو رہی ہو۔ (عقود الجمان ۲۳۰)

## مؤمن اللہ کی یاد میں نہ روئے تو کیا کرے؟

حضرت حمزہ اعمیٰؓ فرماتے ہیں کہ: میری والدہ مجھے حضرت حسن بصریؒ کی خدمت میں لے گئیں، اور عرض کیا کہ حضرت! میں اپنے اس بچے کو آپ کی خدمت میں چھوڑنا چاہتی ہوں، ہو سکتا ہے کہ اس سے اسے نفع ہو، حمزہ کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ نے اجازت دے دی، چنانچہ میں حضرت کے پاس آنے جانے لگا، تو ایک دن آپ نے مجھ سے فرمایا کہ: ”بیٹے! آخرت کی بھلائی حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ فکر مند رہا کرو، امید ہے کہ تم اپنے مقصد تک پہنچ جاؤ گے۔ اور تنہائی کے لمحات میں رویا کرو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حالت پر مطلع ہو کر تمہارے آنسو بہانے پر ترس کھائیں گے پھر تم کا میاب اور بامراد ہو جاؤ گے۔“ حمزہ کا بیان ہے کہ خود حضرت حسنؒ کا حال یہ تھا کہ کبھی جب میں ان کے گھر جاتا تو انہیں روتا ہوا پاتا، اسی طرح کبھی لوگوں کے مجمع میں ان پر رقت طاری ہوتے دیکھتا، اور کبھی نماز پڑھنے کی حالت میں ان کے رونے کی آواز سنائی دیتی، مجھ سے یہ کیفیت دیکھ کر رہا نہ گیا، بالآخر ہمت کر کے ایک دن میں نے پوچھا کہ حضرت! آپ آخر اتنا زیادہ روتے کیوں ہیں؟ یہ سن کر آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور فرمایا: ”بیٹے! اگر مؤمن نہ روئے تو آخر کیا کرے؟“ میرے عزیز! یہ رونا ہی رحمت کی طرف دعوت دینے والا ہے۔ اس لئے اگر تم سے یہ ہو سکے کہ تمہاری ساری عمر بس روتے ہی گذر جائے تو ایسا ضرور کر لینا، کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں اس حال میں دیکھیں گے تو تم پر نظر رحمت فرمائیں گے پھر تم جہنم سے نجات پا جاؤ گے۔ (الرقیۃ والبرکاء ۵۵، ۵۶)



## رونا کیسے آئے؟

احمد بن اسحاق حضرمی فرماتے ہیں کہ میں نے مشہور بزرگ حضرت صالح المرئیؒ سے یہ ارشاد سنا ہے کہ: ”رونے کے اسباب متعدد ہیں: (۱) اپنے گناہوں کے بارے میں غور کرنا۔ (۲) اگر دل اس پر نرم ہو جائے تو فیہا، ورنہ آدمی میدان محشر اور قیامت کے ہوش ربا حالات پر غور کیا کرے۔ (۳) اگر اس پر بھی رقت نہ طاری ہو تو پھر جہنم اور اس کے ہولناک حالات کا تصور کرے۔ یہ ارشاد فرما کر حضرت صالح نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے اور اہل مجلس میں بھی چیخ و پکار مچ گئی۔ (الرقۃ والبرکاء لابن الدینیا ۶۲)

حضرت مکحول فرماتے ہیں کہ: جو شخص جتنا کم گنہ گار ہوگا اتنا ہی اس کا دل نرم ہوگا۔ (الرقۃ والبرکاء ۷۵)

## رونے کا اخفاء

محمد بن واسع فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اپنی رقت کو اس قدر مخفی رکھتا ہے کہ سوتے وقت اگر چہ وہ اور اس کی بیوی ایک تکیہ پر سر رکھتے تھے اور اس شخص کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں سے اس کے رخساروں کے نیچے تکیہ کا حصہ بھیگ جاتا تھا، مگر اس کی بیوی کو اس کے رونے کا احساس نہ ہوتا تھا۔ اور ایسے حضرات کو بھی میں نے دیکھا ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھنے کے لئے صف میں کھڑا ہوتا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے تھے، مگر قریب میں کھڑے ہونے والے کو اس کے رونے کا احساس تک نہ ہو پاتا تھا (یعنی کمال ضبط میں رونے کی معمولی آواز بھی نہ نکلتی تھی) (الرقۃ والبرکاء ۱۳۵)

## قابل رشک بے قراری

مشہور عابد و زاہد بزرگ حضرت زہیر سلولی فرماتے ہیں کہ قبیلہ ”بلعنمر“ کا ایک شخص ہر وقت رویا کرتا تھا، تو اس سے ایک دوسرے شخص نے جو اس کا دوست تھا جھڑک کر کہا کہ آخر کیا بات

ہے کہ تم ہر وقت روتے ہی رہتے ہو؟ تو اس شخص نے روتے ہوئے جواب میں یہ اشعار پڑھے:

بَكَيْتُ عَلَى الذُّنُوبِ لِعُظْمِ جُرْمِي ❖ وَحَقَّ لِكُلِّ مَنْ يَعْصِي الْبُكَاءَ  
فَلَوْ كَانَ الْبُكَاءُ يَرُدُّهُمِّي ❖ لَأَسْعَدَتِ الذُّمُوعُ مَعَا دِمَاءَ

(میں اپنے عظیم جرم کی وجہ سے گناہوں پر روتا رہتا ہوں، اور جو بھی اللہ کا نافرمان ہو اس پر

رونا لازم ہے، پس اگر یہ یقین ہو جائے کہ یہ رونا میری مشکلات کو ٹلا دے گا تو (رونے میں) خون کے قطرات آنسوؤں کا ساتھ دینے کو تیار ہو جائیں گے)

یہ شعر پڑھ کر وہ شخص روتے روتے بے ہوش ہو گیا، اور اس کا دوست اسے چھوڑ کر چلتا بنا۔

(الرقیۃ والبرکاء، ۱۳۲ء)

یہ اللہ کے ان مقبول بندوں کے کردار کی چند جھلکیاں ہیں جو اپنے دور میں لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے اور جن کی چشم ابرو پر کتنے انسان مر مٹنے کے لئے تیار رہتے تھے، واقعی جو اللہ سے ڈرتا ہے تو پھر ساری کائنات اس کی تابع فرمان ہو جاتی ہے۔ ہمارے اکابر بھی خوف و خشیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، وہ اگرچہ اپنے کمال اخلاص کی وجہ سے عام طور پر خشیت کے آثار کو لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دیتے تھے، لیکن ان کے معاملات، طرز عمل و زندگی کی ہر ہر ادا سے اس بات کا واضح طور پر اظہار ہوتا تھا کہ ان کا دل جذبہ خشیت سے پوری طرح معمور ہے، اور وہ اپنے ہر کام میں آخرت کی باز پرس کا خیال رکھتے تھے، اور کبھی کمال ضبط کے باوجود خشیت اور گریہ و بکا کا اس طرح اظہار بھی ہو جاتا کہ سننے والوں کا کلیجہ پھٹنے لگتا۔

## حضرت گنگوہیؒ کا مبارک حال

حضرت مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ امام ربانی قطب عالم حضرت مولانا

رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

”سچے علم کا ثمرہ یعنی بے نیاز خدا کا خوف اور خشیت جیسا آپ کے قلب

میں تھا، شاید زمانہ کی آنکھوں نے کہیں نہ دیکھا، مگر ضبط اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ

اظہار مشکل تھا، جس وقت اخیر شب میں تحریمہ باندھ کر اپنے خدا کے سامنے کھڑے ہوتے اور دست بستہ عرض معروض شروع فرماتے تو آپ پر وہ حالت نمایاں ہوتی تھی جو شہنشاہ کے حضور میں حاضر ہوتے وقت غلام پر ہونی چاہئے، بسا اوقات آپ پر گریہ طاری ہو جاتا، آواز بھڑا جاتی، ہچکی بندھ جاتی، آنکھوں سے آنسوؤں کے تار موتیوں کی لڑیاں بن کر بہتے اور سارے بدن پر ایک رعشہ پیدا ہو جاتا تھا، شہنشاہی فرمان یعنی مقدس قرآن کی آیات آپ پڑھتے اور تغیر حال کے سبب رک جاتے تھے، پھر شروع فرماتے اور پھر ٹھہر جاتے تھے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک آیت شریفہ پر آپ نے صبح کردی کہ اس کو بار بار دہراتے اور اعادہ فرماتے تھے۔ (تذکرۃ الرشید ۱۹۱)

## شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کا الحاح و زاری

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ اگرچہ انتہائی عدیم الفرصت تھے اور پورا دن درس و تدریس، ضیافت اور قومی و ملی امور کی تکمیل میں گذرتا تھا، لیکن بایں ہمہ نماز تہجد کی ایسی پابندی تھی کہ سفر یا حضر میں کبھی اس معمول میں فرق نہ آتا اور اس وقت آپ پر ایسا گریہ و بکا کا عالم طاری ہوتا جو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا تھا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ”آپ بیتی“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”میں نے اپنے اکابر میں اپنے والد صاحب اور حضرت مدنی قدس سرہ کو اخیر شب میں بہت ہی آواز سے روتے سنا، بسا اوقات ان اکابر کے رونے سے مجھ جیسے کی آنکھ بھی کھل جاتی جس کی آنکھ سونے کی بعد بڑی مشکل سے کھلتی ہے۔ حضرت مدنی قدس سرہ ہندی کے دوہے درد سے پڑھا کرتے تھے میں ہندی سے واقف نہیں اس لئے مضامین کا تو پتہ نہیں چلتا تھا لیکن رونے کا منظر اب تک کانوں

اور دل میں ہے، جیسے کوئی بچہ کو پیٹ رہا ہو اور وہ رورہا ہو۔ (آپ بیتی ۱۰۶۴)۔  
 فدائے ملت حضرت اقدس مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم حضرت شیخ الاسلام  
 کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

”آپ اخیر شب میں اپنے کمرے میں تشریف لا کر تہجد میں مصروف  
 ہو جاتے، اگر میرا کبھی اس وقت آپ کے کمرے میں جانا ہوا تو اکثر آپ کو زار  
 و قطار روتے دیکھا، پاس ہی تولیہ رکھا رہتا تھا وہ اس طرح تر ہو جاتا تھا کہ جیسے کسی  
 نے اسے ابھی دھو کر ڈال دیا ہو۔“ (حیرت انگیز واقعات ۸۴)

## حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک نہایت قیمتی ملفوظ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب علم حقیقی کی علامت  
 خشیت اللہ ہے تو ہر عالم یا طالب علم کو بار بار اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ یہ علامت اس میں پیدا ہوئی یا  
 نہیں؟ اور مثال دے کر فرماتے کہ جب کوئی مسافر ریل گاڑی میں سوار ہو کر کسی منزل کی طرف  
 روانہ ہوتا ہے تو وہ بار بار کھڑکی سے منہ نکال کر دیکھتا ہے کہ اب کون سا اسٹیشن آیا ہے؟ اگر وہی  
 اسٹیشن راستے میں پڑ رہے ہیں جو منزل مقصود کے راستے میں آیا کرتے ہیں تو مطمئن ہو جاتا ہے،  
 اور انہی اسٹیشنوں سے اندازہ لگاتا ہے کہ منزل کتنی دور ہے؟ اور اگر اسٹیشن ایسے نامانوس آنے لگیں  
 جو اس منزل کے راستے میں نہیں پڑتے تو سمجھ جاتا ہے کہ گاڑی کسی اور رخ پر جا رہی ہے اور گھبرا کر  
 گاڑی بدلنے کی فکر کرتا ہے، اسی طرح علم کے مسافر کو بار بار اپنے دل کی کھڑکی میں جھانک کر دیکھنا  
 چاہئے کہ ”خشیت اللہ“ کا اسٹیشن آیا یا نہیں، اگر اس اسٹیشن کے کچھ آثار معلوم ہوتے ہیں تو سفر صحیح  
 سمت میں ہو رہا ہے، لیکن اگر خشیت، تواضع، انابت الی اللہ اور اتباع سنت کے بجائے بے فکری،  
 تکبر و انانیت، حب جاہ و مال اور نفس پرستی کے اسٹیشن آرہے ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ انسان کسی غلط  
 گاڑی میں سوار ہے، اور یہ گاڑی اسے علم کی اس منزل تک نہیں پہنچا سکتی جو اللہ اور اس کے رسول  
 صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلوب ہے۔ (میرے والد میرے شیخ ۱۳۸)

## ایک اہم ترین مسنون دعا

اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ دعا تلقین فرمائی ہے:

اے اللہ ہمیں اپنا اتنا خوف نصیب فرمائیے جس  
کی وجہ سے آپ ہمارے درمیان اور اپنی  
نافرمانیوں کے درمیان حائل ہو جائیں، اور اپنی  
اتنی فرماں برداری عطا فرمائیے جس کے سبب  
آپ ہم کو اپنی جنت تک پہنچادیں، اور وہ  
یقین عطا فرمائیں جس کی وجہ سے آپ دنیا کی  
الدُّنْيَا.

(الحزب الاعظم)

یہ دعا اس قابل ہے کہ معنی کا استخراج رکھ کر ہم اس کا ورد کیا کریں، اللہ تعالیٰ اس دعا کو ہم  
سب کے حق میں قبول فرمائیں، آمین۔



## ۹

# علماء کرام کیلئے کچھ کارآمد باتیں

مشہور مصنف امام ابو عمر یوسف بن عبد البر قرطبی اندلسی (المتوفی ۴۶۳ھ) نے علم دین کی اہمیت اور علماء کے فضائل اور ان کی ذمہ داریوں سے متعلق ایک جامع ترین کتاب ”جامع بیان العلم وفضله“ کے نام سے تالیف فرمائی ہے جو اپنی جامعیت کے اعتبار سے ایک شاہ کار کتاب قرار دی گئی ہے، بعد میں بیروت (لبنان) کے ایک عالم جلیل شیخ احمد بن عمر المحصانی (المتوفی ۱۳۴۹ھ) نے اس وقیع کتاب کو مختصر کرنے کا کام انجام دیا، موصوف نے غیر ضروری اسانید اور مکررات کو حذف کر کے کتاب سے استفادہ کو آسان بنا دیا۔ احقر کو اس کتاب کے مطالعہ کی سعادت ملی تو مطالعہ کے دوران کچھ مفید باتیں احقر نے نوٹ کر لیں۔ اور آسانی کے لئے عنوانات لگا دئے اور کہیں کہیں کچھ تشریح بھی کر دی، امید ہے کہ ان قیمتی جواہر پاروں سے قارئین کو فائدہ ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیں:

## علم کا خلاصہ

حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت جعفر صادقؑ نے فرمایا: کہ لوگوں کے علم کا خلاصہ سب کا سب صرف چار باتوں میں ہے: (۱) یہ کہ آدمی اپنے رب کو پہچانے۔ (۲) یہ کہ آدمی یہ جانے کہ رب العالمین نے اس کے ساتھ کیا کیا احسانات فرمائے ہیں؟ (۳) یہ جانے

کہ رب اس سے کیا چاہتا ہے؟ (۴) اور یہ کہ یہ پہچانے کہ کن باتوں سے وہ رب کی نافرمانی سے نکل سکتا ہے؟ (مختصر جامع بیان العلوم ۲۷، ۲۸)

مطلب یہ ہے کہ جو علم مذکورہ چار باتوں کی طرف انسان کی رہنمائی کرے اور ان پر عمل کرنے کی طرف راغب کرے وہی علم دراصل نفع بخش ہے۔ اور جس علم سے یہ باتیں حاصل نہ ہوں وہ علم کہلائے جانے کے لائق نہیں۔

## علم کیسے حاصل ہوگا؟

امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ یہ علم اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کچھ نہ کچھ فقر و فاقہ اور تنگ دستی کا ذائقہ نہ چکھ لے۔ (مختصر جامع بیان العلوم ۸۸)

امام شافعی نے فرمایا کہ جو شخص علم دین مالی وسعت اور اپنے اعزاز کے ساتھ حاصل کرے گا وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا، اس کے برخلاف جو شخص ذلت و عاجزی، تنگ دستی اور علم کے اکرام کے ساتھ اسے حاصل کرے گا وہی کامیاب ہوگا۔ (مختصر جامع بیان العلوم ۸۹)

تجربہ بھی بتاتا ہے کہ ناز و نعم اور فارغ البالی میں علم دین پڑھنے والے طلبہ عموماً علمی گیرائی حاصل نہیں کر پاتے، کیوں کہ مالی وسعت کی وجہ سے ان کی توجہات علم سے زیادہ آسائش و زیبائش کی طرف لگی رہتی ہیں۔ اس لئے مال دار گھرانہ کے طلبہ کے سر پرستوں کو چاہئے کہ وہ طالب علمی کے زمانہ میں ان کے پاس جیب خرچ کی زیادہ رقم نہ رہنے دیں۔

## صبر، زہد اور تواضع کی حقیقت

ابراہیم ابن اشعث کہتے ہیں کہ میں نے مشہور عارف باللہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مصیبت پر صبر کا مطلب کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ: ”صبر کا مطلب یہ ہے کہ تم ان مصیبتوں کو کسی سے بیان نہ کرو، پھر میں نے ”زہد“ کی حقیقت پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ: ”زہد قناعت کا نام ہے اور یہی اصل میں غنی ہے، اس کے بعد میں نے ”ورع“ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ: ”گناہوں اور محرمات سے بچنے کا نام ورع ہے، اسی طرح

میں نے جب تواضع کی حقیقت کے بارے میں معلوم کیا تو حضرت نے فرمایا کہ: ”تواضع یہ ہے کہ تم حق بات سامنے آنے پر سر تسلیم خم کر دو اگرچہ اس حق بات کا بیان کرنے والا شخص لوگوں میں سب سے بڑا جاہل کیوں نہ ہو؟ (یعنی یہ نہ دیکھو کہ کہنے والا کون ہے بلکہ اس کی کہی ہوئی بات پر دھیان دو اگر وہ حق ہو تو اسے قبول کرنے میں تامل نہ کرو، یہی تواضع ہے) (مختصر جامع بیان العلم ۹۴)

## تین نصیحتیں

سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے! لوگوں کو دکھلانے، ان سے جھگڑا کرنے یا فخر و مباہات کے لئے کبھی علم مت حاصل کرنا، اور تین باتوں کی وجہ سے کبھی علم کی تحصیل میں کوتاہی مت کرنا۔ (۱) ناواقف رہنے کا شوق۔ (۲) علم سے بے رغبتی۔ (۳) اور علم سیکھنے سے شرم۔ (مختصر جامع بیان العلم ۹۷)

یعنی مذکورہ تین باتوں کی وجہ سے علم حاصل کرنا مت چھوڑنا۔

## علم کے ساتھ حلم کی اہمیت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے دنیا میں یقین (کامل) سے کم کوئی چیز نہیں اتاری، اور لوگوں میں سب سے زیادہ کم ”صفت حلم“ تقسیم فرمائی ہے اور کوئی چیز دوسری چیز سے مل کر اتنی مزین اور خوبصورت نہیں ہوتی جتنی صفت علم حلم کے ساتھ مل کر مزین ہوتی ہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۱۴)

یعنی جس شخص میں کمالِ علم کے ساتھ بردباری اور ناگوار باتوں پر تحمل کی صفت بھی پائی جائے تو اس کی عزت و شرافت میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔

## عالم کامل کی تین پہچان

علماء سے یہ بات منقول ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک صحیح معنی میں عالم کہلائے جانے کے لائق نہیں ہے جب تک کہ اس میں تین صفات نہ پائی جائیں: (۱) علم میں اپنے سے کم تر کو حقیر نہ سمجھے۔



(۲) اپنے سے برتر سے حسد نہ رکھے۔ (۳) اور اپنے علم پر کوئی قیمت نہ لے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۱۹)

## منصف مزاجی

علامہ ابن عبدالبر قرطبیؒ نے فرمایا کہ: ”علم کے آداب و برکات میں سے یہ بات ہے کہ آدمی منصف مزاج ہو، کیوں کہ جو شخص منصف نہ ہو تو نہ تو وہ خود سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی اسے سمجھایا جاسکتا ہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۱۹)

امام محمد بن عمرو اقدیمیؒ فرماتے ہیں کہ میں خود امام مالکؒ سے سنا کہ: ”جب عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور حج کے لئے آئے تو انہوں نے مجھے بلا کر یہ پیش کش کی کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ میں آپ کی تالیف ”موطأ“ کے مختلف نسخے تیار کر کے اس کا ایک ایک نسخہ عالم اسلام کے بڑے بڑے شہروں میں بھجوادوں اور وہاں کے لوگوں کو اس کا پابند بناؤں کہ وہ ہر معاملہ میں اسی کتاب کا اتباع کریں اور اس کے خلاف جو آراء و اقوال ہیں انہیں ترک کر دیں، اس لئے کہ اس کتاب میں تمام باتیں اہل مدینہ سے مروی ہیں جو نہایت درجہ قابل اعتبار ہیں، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس پیش کش پر میں نے جواب دیا کہ ”امیر المؤمنین! آپ اس کا ہرگز ارادہ نہ فرمائیں اس لئے کہ مختلف علاقوں میں حضرات صحابہؓ اور دیگر معتبر علماء کے اقوال و آراء پہلے ہی پہنچ چکے ہیں اور ہر علاقہ کے لوگ عرصہ دراز سے ان پر عمل کرتے آرہے ہیں، اب انہیں ان کے عقیدہ سے ہٹانا بہت مشکل ہوگا، اس لئے لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیجئے، جس رائے پر وہ عمل کرتے آرہے ہیں انہیں اسی پر عمل کرنے دیجئے“۔ یہ سن کر خلیفہ منصور نے کہا کہ قسم بخدا! اگر آپ میری پیش کش قبول کر لیتے تو میں اس کی تعمیل کر دیتا، اس واقعہ سے امام مالکؒ کے انصاف پسندی کا باسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (مختصر جامع بیان العلوم ۱۲۱)

## جھک بازی سے پرہیز

امام مالکؒ کا مقولہ ہے کہ ”جھک بازی سے دل سخت ہو جاتے ہیں اور اس سے کینہ کی پرورش ہوتی ہے“۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۲۳)

یعنی خواہ مخواہ بحث بازی اور کٹھ جھتی سے پرہیز کرنا چاہئے، جس بات کو حق سمجھے اسے ظاہر کر دے، لیکن اس پر پتچ نہ کرے۔

## چار کاموں سے ناگواری نہیں ہونی چاہئے

علماء کا مقولہ ہے کہ چار کاموں سے شریف آدمی کبھی اپنی بے عزتی محسوس نہیں کرتا:

(۱) اپنے والد کے لئے اپنی مخصوص نشست گاہ سے کھڑے ہونے سے۔ (۲) اپنے مہمان کی خدمت کرنے سے۔ (۳) اپنی سواری (گھوڑے وغیرہ) کی دیکھ ریکھ سے، اگرچہ اس کے خدام موجود ہوں۔ (۴) اور اپنے استاذ کی خدمت گزاری سے، تاکہ اس سے علم حاصل کر سکے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۲۵)

## حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا حکیمانہ ارشاد

رجاء بن حیوۃ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ”علم تو سیکھنے ہی سے آتا ہے، اور بردباری کے لئے اس کی مشق کرنی پڑتی ہے، اور جو خیر کا طالب اور مشتاق ہوتا ہے اسے خیر عطا ہوتی ہے اور جو برائی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اسے برائی سے بچا لیا جاتا ہے۔“ (مختصر جامع بیان العلم ۱۲۵)

## جاہل کی تین علامتیں

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”جہالت کی تین علامتیں ہیں: (۱) اپنے کو اچھا سمجھنا۔ (۲) فضول گوئی کرنا۔ (۳) اپنی بیان کردہ نصیحت پر خود عامل نہ ہونا۔“ (مختصر جامع بیان العلم ۱۳۲)

یعنی جس شخص میں مذکورہ تین باتیں پائی جائیں وہ گو کہ عالم کہلاتا ہو، مگر دراصل وہ جاہلانہ باتوں میں مبتلا ہے۔

## حب جاہ کی نحوست

حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ جو شخص بھی ”حب جاہ“ میں مبتلا ہوگا اس میں درج ذیل برائیاں ضرور پائی جائیں گی: (۱) وہ دوسرے ہم عصر لوگوں سے حسد کرے گا۔ (۲) اس میں سرکشی کے

جذبات پروان چڑھیں گے۔ (۳) وہ دوسرے لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں رہے گا۔ (۴) اور جب اس کے سامنے کسی شخص کی تعریف کی جائے گی تو اسے دل سے پسند نہیں کرے گا۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۳۴)

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک مرتبہ مسجد سے باہر تشریف لائے تو لوگ آپ کے پیچھے چلنے لگے، یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ”اس شان کو دیکھ کر کسی کا دل سلامت رہ سکتا ہے؟“ اس کے بعد فرمایا کہ ”اپنے پیچھے جو توں کی کھسکھاہٹ سننا بے وقوف لوگوں کے دلوں کو فاسد کرنے کا سبب ہے“ (یعنی اس شان کو دیکھ کر احمق لوگ اپنے کو بڑا سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ یہ بڑائی کی دلیل نہیں ہے) (مختصر جامع بیان العلم ۱۳۶)

سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ”کسی کے پیچھے چلنا منبوع (جس کے پیچھے چلا جائے) کے لئے موجب فساد اور تابع (جو پیچھے چلے) کے لئے موجب ذلت ہے۔“ (مختصر جامع بیان العلم ۱۳۶)

## قابل تکریم حضرات

حضرت ایوب القریہ فرماتے ہیں کہ: عزت و تکریم کے قابل تین طرح کے لوگ ہیں:

(۱) علماء۔ (۲) دوست احباب۔ (۳) اصحاب اقتدار۔ پس جو شخص علماء کی توہین کرے گا وہ اپنے دین کو برباد کر لے گا، اور جو دوست احباب کی تذلیل کرے گا وہ اپنے اخلاق سے محروم ہو جائے گا اور جو حکام وقت کی اہانت کرے گا وہ اپنی دنیا بگاڑ لے گا۔ اور عاقل شخص وہ ہے جو اپنا کچھ بھی بگڑنے نہ دے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۳۸)

## علم کی زندگی سوال و جواب میں ہے

داؤد بن الجراح فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ ”عسقلان“ تشریف لائے اور تین دن قیام فرمایا، اس دوران کسی شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ نہیں پوچھا، تو آپ نے خادم سے کہا کہ میرے لئے سواری کرایہ پر حاصل کرو، میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں، اس لئے کہ یہ ایسا شہر ہے جہاں رہنے سے علم کا جنازہ نکل جائے گا (یعنی جب کوئی مسئلہ پوچھنے والا ہی نہ ہوگا تو علمی ماحول

باقی ہی کیسے رہے گا؟) (مختصر جامع بیان العلم ۱۴۷)

## دو طبقوں پر اصلاح کا مدار

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میری امت کے دو طبقے اگر سدھر جائیں تو سب لوگ سدھر جائیں گے: (۱) علماء۔ (۲) اصحاب اقتدار۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۵۶)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: علماء کی مثال نمک کے مانند ہے کہ اگر کوئی چیز بگڑ جائے تو نمک کے ذریعہ اس کی اصلاح کی جاتی ہے لیکن اگر نمک ہی خراب ہو جائے تو پھر اس کی درستگی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۵۷)

معلوم ہوا کہ امت کی اصلاح کے لئے مذہبی و سیاسی قائدین کا اولاً سدھرنا اور اصلاح سے متصف ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر عمومی اصلاح کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

## عالمانہ وقار کی اہمیت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ: ”اگر اہل علم اپنے علم کے وقار کو بچا کر رکھیں تو ساری دنیا کی سرداری انہیں اس علم کی وجہ سے نصیب ہوگی، لیکن وہ اہل دنیا سے مال و دولت کے حصول کے لئے اپنے علم کو استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے دنیا والوں کی نظر میں ان کا مرتبہ گر جاتا ہے“۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۵۹)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ ”اگر حاملین علوم نبوت علم کے تقاضوں کو بجالائیں تو اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور نیک لوگوں کے محبوب بن جائیں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی دھاک بیٹھ جائے، مگر (افسوس ہے کہ) یہ علماء اپنے علم سے دنیا طلب کرتے ہیں جس کی بنا پر نہ صرف اللہ تعالیٰ کی نظر میں ناپسند قرار پاتے ہیں بلکہ لوگوں کی نظروں سے بھی گر جاتے ہیں“۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۶۱)

مشاہدہ بھی یہی ہے کہ عزت کے قابل وہی عالم سمجھا جاتا ہے جو اپنے علمی وقار کی حفاظت

کرے اور اپنے دینی منصب کو مادیت کے اثرات سے داغدار نہ ہونے دے۔

## خفیہ شہوت کیا ہے؟

یزید بن حبیب فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ”خفیہ شہوت“ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: خفیہ شہوت یہ ہے کہ آدمی لوگوں کو علم سکھائے پھر یہ تمنا کرے کہ لوگ (زیادہ سے زیادہ) اس کی مجلس میں آکر استفادہ کیا کریں۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۶۲)

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ: ”پوشیدہ شہوت“ یہ ہے کہ آدمی اپنی نیکی پر لوگوں سے تعریف کا متمنی رہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۷۰)

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کہیں وعظ و تقریر کے لئے جائیں تو بعد میں یہ سننے کے متمنی رہتے ہیں کہ ”تقریر کیسی رہی؟“ اور اگر کوئی حوصلہ افزاء تبصرہ کر دے تو پھولے نہیں سماتے، ایسے حضرات کو مذکورہ بالا ارشادات بار بار پڑھ کر اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔

## گناہ! موجب نسیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میرا خیال یہ ہے کہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے عالم کے ذہن سے علمی باتوں کو بھلا دیا جاتا ہے۔“ (یعنی گناہ علم کے بھول جانے کا سبب بنتا ہے، اور تجربہ سے یہ بات بالکل مشاہد ہے) (مختصر جامع بیان العلم ۱۶۸)

## دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟

حضرت ابراہیم ابن ادہم سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ادعونی استجب لکم (مجھ سے مانگو، میں تمہاری درخواست قبول کروں گا) پھر کیا بات ہے کہ ہم دعائیں مانگتے ہیں مگر ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ پانچ کوتاہیوں کی وجہ سے تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوتیں: (۱) تم اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے باوجود اس کا حق ادا نہیں کرتے۔ (۲) قرآن پڑھتے ہو مگر اس کی ہدایات پر عمل نہیں کرتے۔ (۳) محبت رسول کا دعویٰ کرتے ہو مگر

پیغمبر علیہ السلام کی سنتوں کے تارک ہو۔ (۴) تم ویسے تو شیطان کو بہت برا کہتے ہو لیکن (جب موقع آتا ہے تو شریعت کے خلاف) اس کی پیروی کرتے ہو۔ (۵) اور پانچویں بات یہ ہے کہ تمہیں اپنے عیوب نظر نہیں آتے اور دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں لگے رہتے ہو۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۷۲)

## سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی علماء کو نصیحت

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ: ”اے حاملین علوم نبوت! اپنے علم پر عمل کیا کرو، اس لئے کہ اصل میں عالم وہی ہے جو علم سیکھ کر اس پر عامل بھی ہو، اور عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اگرچہ عالم کہلائیں گے مگر علم ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا، ان کی ظاہری زندگی تنہائی کی زندگی کے خلاف ہوگی، اور ان کے علم اور عمل میں تضاد ہوگا، وہ حلقیں لگا کر بیٹھیں گے اور ایک دوسرے پر فخر و مباہات کیا کریں گے (کہ کس سے کتنے لوگ وابستہ ہیں؟) حتیٰ کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے ساتھ بیٹھنے والے پر اس وجہ سے بھی ناراض ہو جایا کرے گا کہ اس نے اس کی مجلس چھوڑ کر دوسرے کی مجالست کیوں اختیار کی؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال بارگاہ خداوندی میں بار یاب نہ ہو پائیں گے۔“ (مختصر جامع بیان العلم ۱۷۴)

اس ارشاد عالی کا حاصل یہ ہے کہ علماء کو اپنا حلقہ بڑھانے کی فکر کرنے کے بجائے زیادہ توجہ اپنے عمل کی درستگی اور رضائے خداوندی کی طرف لگانی چاہئے۔

## عمل کے بغیر وعظ مؤثر نہیں

مالک بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اگر عالم اپنی نصیحت پر عامل نہ ہو تو اس کی نصیحت لوگوں کے دلوں سے ایسے گزر جاتی ہے جیسے چکنے پتھر سے بارش کے قطرات پھسل جاتے ہیں (یعنی عمل کے بغیر وعظ میں اثر پیدا نہیں ہوتا) (مختصر جامع بیان العلم ۱۷۶)

## از دل خیزد، بردل ریزد

حضرت سوار فرماتے ہیں کہ: دلوں کی گہرائی سے نکلنے والی بات دلوں پر دستک دیتی ہے

جب کہ محض زبان سے نکلی ہوئی بات دلوں کے اوپر ہی سے گزر جاتی ہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۷۶)

## عالم کے لئے عمل لازم ہے

حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم میں لوگوں پر فوقیت رکھتا ہے وہ اس بات کے

زیادہ لائق ہے کہ عمل میں بھی وہ سب سے ممتاز ہو۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۷۸)

## دنیا دار عالم سے امت کو نفع نہیں ہوتا

سفیان ثوریؒ کا مقولہ ہے کہ: ”عالم اس امت کا طبیب (اور ڈاکٹر) ہوتا ہے اور امت کا

مرض مال ہے، لہذا اگر خود عالم ہی (ناحق طور پر) مال کھینچنے میں لگ جائے تو وہ خود دوسروں کا علاج

کیسے کر سکے گا؟“ (مختصر جامع بیان العلم ۱۸۰)

## حلال روزی کی فکر

حضرت ابو الدرداءؓ نے فرمایا کہ: آدمی کی سمجھ داری کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے معاشی

حالات درست کرنے کی فکر کرے (یعنی حلال ذرائع آمدنی اختیار کرے تاکہ اپنے واجبی حقوق کی

ادائیگی اور دینی امور کی انجام دہی میں وہ مال اس کا معاون بن سکے) (مختصر جامع بیان العلم ۱۸۰)

## ابن عونؒ کی پسندیدہ باتیں

ابن عونؒ فرماتے تھے کہ میں اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے تین باتوں کو پسند کرتا ہوں:

(۱) یہ قرآن کریم، کہ اس میں آدمی غور و فکر اور تدبر کرے تو عنقریب ایسے علوم پر آگاہ ہوگا جس کا

اسے پہلے سے علم نہیں ہے۔ (۲) پیغمبر علیہ السلام کی سنتیں، جن کی تلاش آدمی مستقل جاری رکھے،

اور ان کے متعلق علماء سے پوچھ گچھ کرتا رہے۔ (۳) اور لوگوں سے اچھی باتوں کے علاوہ میل جول

نہ رکھے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۹۷)

## عارف باللہ شخص کی طرف دل کھنچے چلے جاتے ہیں

حسان بن عطیہؒ نے فرمایا کہ: ”جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت میں جتنا بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی

لوگ اس کے قریب ہوتے جاتے ہیں۔“ (مختصر جامع بیان العلم ۲۱۴)

ایسے اصحاب معرفت حضرات کا فیض چار دانگ عالم میں پھیل جاتا ہے، اور بے اختیار لوگوں کا رجوع ان کی طرف ہونے لگتا ہے۔

## فتویٰ میں جلد بازی کم علمی کی دلیل ہے

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ فتویٰ دینے میں سب سے زیادہ جسارت وہ شخص کرتا ہے جو لوگوں میں سب سے کم علم ہوتا ہے، اور فتویٰ میں سب سے زیادہ احتیاط وہ شخص کرتا ہے جو علماء کے اختلاف سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۲۱۶)

## عیب سے کوئی شخص مبرا نہیں

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”دنیا میں کوئی ایسا عالم اور شریف نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی عیب نہ ہو، مگر بات یہ ہے کہ جس میں خوبیاں عیب کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہیں تو اس کا عیب خوبیوں میں چھپ جاتا ہے، اس کے برخلاف جس میں عیب زیادہ ہوتے ہیں تو اس کی خوبیاں عیوب میں فراموش ہو جاتی ہیں۔“ (مختصر جامع بیان العلم ۲۱۸)

واقعہً یہ ارشاد صد فیصد برحق ہے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ ہر طرح کے عیب سے پاک ہے اور جو یہ دعویٰ کرے وہ سچا نہیں ہے، بلکہ دھوکہ میں پڑا ہوا ہے البتہ یہ کوشش ضرور ہونی چاہئے کہ ہمارے عیوب خوبیوں پر غالب نہ آسکیں، اس کے لئے اپنا محاسبہ کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق خیر کے طالب رہیں، انشاء اللہ مراد کو پہنچیں گے۔

## امام ابو یوسفؒ کے تجربہ کی تین باتیں

امام ابو یوسفؒ کا ارشاد ہے کہ: ”جو نادر و نایاب احادیث کی تلاش میں رہے گا اس کی زبان سے جھوٹ ضرور صادر ہوگا، اور جو دین کو علم کلام کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کرے گا وہ بعقیدہ ہو جائے گا، اور جو کیمیا بتانے کے چکر میں پڑ جائے گا وہ مفلس اور قلاش ہو جائے گا۔“ (مختصر جامع بیان العلم ۳۱۸)



## ہر مسئلہ کا جواب دینے میں نہ پڑیں

امام مالکؒ فرماتے تھے کہ: ”آدمی سے علم زائل ہونے کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ ہر پوچھی گئی بات پر رائے زنی اور گفتگو کرنے کی کوشش کرتا ہو“۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۷۹)

حضرت عبدالرحمن بن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر تھے تو ایک شخص نے آپ کے پاس آ کر عرض کیا کہ میں چھ مہینہ کی مسافت سے سفر کر کے ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اور مجھے میری بستی والوں نے باصرار آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو پوچھنا ہے پوچھو، چناں چہ اس شخص نے اپنا مسئلہ پیش کیا، تو اسے سن کر امام مالکؒ نے بے تکلف جواب دیا کہ ”اس مسئلہ کا جواب مجھے نہیں آتا“ امام مالکؒ کی طرف سے اس مسئلہ کی لاعلمی کے اظہار پر وہ شخص ہکا بکا اور حیرت زدہ رہ گیا، کیوں کہ وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ یہاں تو ہر بات کا علم دستیاب ہے، پھر اس شخص نے اپنے حواس بجا کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت! جب میں اپنی بستی میں پہنچوں تو ان سے کیا کہوں؟ تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ جا کر کہہ دینا کہ امام مالک کو یہ مسئلہ اچھی طرح معلوم نہیں ہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۲۲۳)

## مسلسل مطالعہ سے حافظہ تیز ہوتا ہے

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ سے پوچھا گیا کہ قوت حافظہ تیز ہونے کے لئے کیا تدبیر اپنائی جائے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ”کتابوں کا مطالعہ مسلسل جاری رکھا جائے (اسی سے حافظہ مضبوط ہوگا)“ (مختصر جامع بیان العلم ۳۹۸)

لہذا جو عالم اپنا علم محفوظ رکھنا چاہتا ہے اسے مطالعہ و مذاکرہ کا اہتمام رکھنا چاہئے۔ اس کے بغیر اس کا علم محفوظ نہیں رہ سکتا، اور نہ ہی علمی باتیں اس کے دماغ میں مستحضر رہ سکتی ہیں، اگر مطالعہ کتب چھوٹ جائے تو دماغ میں محفوظ علوم بھی رفتہ رفتہ رخصت ہو جاتے ہیں۔



# اہل علم کے لئے کچھ گراںقدر نصیحتیں

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے سینہ کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و معرفت سے معمور فرما دیا تھا، آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات آنے والی نسلوں کے لئے منارۂ نور اور مشعل ہدایت بن گئے ہیں، جن سے ہزار ہا ہزار خلق خدا مستفیض ہو رہی ہے اور برابر ہوتی رہے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت حکیم الامتؒ کے افادات عالیہ سیکڑوں کتب و رسائل اور خطبات و مواعظ میں بکھرے پڑے ہیں، اللہ تعالیٰ مکرم و محترم جناب مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی حال استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائیں کہ موصوف نے حضرت حکیم الامتؒ کے گراں قدر ارشادات الگ الگ عنوانات میں کتابوں اور رسائل کی شکل میں اشاعت کا سلسلہ شروع فرما رکھا ہے، جس سے افادات اشرفیہ سے استفادہ میں بہت زیادہ سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ اہل علم بالخصوص دینی خدمت میں لگے ہوئے حضرات کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ بہت مفید ہے، اسی سلسلہ کی ایک قیمتی تالیف ”العلم والعلماء“ بھی ہے۔ سردست اسی کتاب سے حضرت تھانویؒ کے چند گراں قدر ملفوظات عالیہ کا انتخاب پیش ہے۔ بلاشبہ ان ملفوظات کا ایک ایک لفظ روشن اور حقیقت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

○ فرمایا: ایک بات اہل علم کے کام کی بتلاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین

کی عظمت پر ہے، اس لئے حتی الامکان ان پر اعتراض اور تنقیص کی آنچ نہ آنے دینا چاہئے۔

○ مولوی ہونا کوئی خوشی کی بات نہیں، دین دار ہونا خوشی کی بات ہے۔

○ زیادہ کھانے سے جسم تازہ اور قلب مکدر ہوتا ہے اور کم کھانے سے جسم کمزور ہو جاتا ہے

مگر قلب کو تازگی ہوتی ہے۔

○ علم اور اس کے ساتھ صحبت کی بڑی ضرورت ہے، صحبت سے واقفیت بھی ہوتی ہے اور

عمل کے ساتھ مناسبت بھی ہوتی ہے، بڑی ضرورت ہے شیخ کی، نری کتابیں کافی نہیں۔

○ مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ پڑھنے سے زیادہ گُننا (سمجھنا) چاہئے، ایک

شخص پڑھا ہوا ہے اور ایک گُننا (سمجھا) ہوا ہے، دونوں میں بڑا فرق ہے، گُننا صحبت سے آتا ہے۔

○ علماء کا ہمیشہ غریب ہی رہنا اچھا ہے، جس قوم اور جس مذہب کے علماء امیر ہوئے وہ

مذہب برباد ہو گیا۔

○ آدمی قناعت پر اکتفاء کر لے اور ضروری سامان کے ساتھ رہے تو تھوڑی آمدنی میں بھی

رہ سکتا ہے اور فرض منصبی کو بھی ادا کر سکتا ہے۔

○ دو چیزیں اہل علم کے واسطے بہت ہی بری معلوم ہوتی ہیں، حرص اور کبر، یہ ان میں نہیں

ہونا چاہئے۔

○ مناسب ہے کہ پینل اور کاغذ جیب میں پڑا رہے، جس وقت جو مضمون ذہن میں آئے

اس کا اشارہ لکھ لیا جائے، پھر دوسرے وقت ان میں ترتیب دے دی جائے، چنانچہ میری جیب

میں پینل اور کاغذ پڑا ہے، ورنہ بعض مضامین ذہن میں آتے ہیں اور پھر نکل جاتے ہیں۔

○ امام مالکؒ کی خدمت میں ایک بزرگ نے لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ عمدہ کپڑے

پہنتے ہیں، بزرگوں کی کیا یہی شان ہوتی ہے؟ حدیثیں موجود تھیں، اگر چاہتے تو ثابت کر دیتے، مگر

یہ فرمایا: ”نَعَمْ نَفْعَلُ وَنَسْتَعْفِرُ“ یعنی ہم کرتے ہیں اور اپنے لوگوں کو سمجھ کر استغفار کرتے ہیں، کوئی

تاویل نہیں کی۔

○ کثیر الاشغال شخص کو زبانی یاد پر اکتفاء نہیں کرنی چاہئے، بل کہ ضروری کاموں کو لکھ لینا چاہئے۔

○ تحمل سے زیادہ کبھی اپنے ذمہ کام نہ لو۔

○ بے کار وقت کھونا نہایت برا ہے، اگر کچھ کام نہ ہو تو انسان گھر کے کام میں لگ جائے گھر کے کام میں لگنے سے دل بہلتا ہے اور عبادت بھی ہے، مجموعوں میں بیٹھنا خطرہ سے خالی نہیں، کسی کی حکایت میں بعض مرتبہ غیبت کی نوبت آجاتی ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

○ ملنے جلنے میں ہزار ہا مفسد ہیں، اختلاط سے سینکڑوں بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں بس اپنے اپنے کام میں مشغول رہنا چاہئے۔

○ ایک آدمی سب کو خوش رکھے یہ ہونہیں سکتا، جب ہر حال میں اس پر برائی آتی ہے تو پھر اپنی مصلحت کو کیوں فوت کرے؟ جس کام میں اپنی مصلحت اور راحت دیکھے، بشرط اذن شرعی وہی کرے، کسی کی بھلائی برائی کا خیال نہ کرے، مخلوق کے برا کہنے کا خیال نہ کرے، حق تعالیٰ سے معاملہ صاف رکھنا چاہئے۔

○ فرمایا: دو باتیں مجھے بہت ناپسند ہیں، (۱) ایک تو تقریر میں لغت بولنا، (۲) دوسرے تحریر میں شکستہ لکھنا، کیوں کہ تحریر و تقریر سے مقصود افہام ہوتا ہے اور یہاں ابہام ہوتا ہے۔

○ جس کے معتقد ہو اس کے کہنے کو برانہ مانو، تھوڑی دیر کے لئے صبر کر لو، شاید یہ امتحان ہی لیتے ہوں اگر وہ اس کا امتحان ہونا پہلے ہی سے بتلا دیں تو پھر امتحان ہی کیا ہوا۔

○ مشغولی بڑی سلامتی کی چیز ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ کسی نہ کسی کام میں اپنے کو مشغول رکھیں، بس خدا جس سے کام لینا چاہیں وہی کام کر سکتا ہے، خود کچھ نہیں کر سکتا۔

○ آدمی کو اپنی کسی چیز پر ناز نہ کرنا چاہئے، نہ علم و فضل پر، نہ عقل و فہم پر، نہ زہد و تقویٰ پر، نہ عبادت و اعمال پر، نہ شجاعت و قوت پر، نہ حسن و جمال پر، یہ سب حق تعالیٰ کی عطا ہیں پھر ناز کس پر؟ ناز تو اپنے کمال پر ہوتا ہے، اور جب اپنا کمال کچھ بھی نہیں تو پھر تو نیاز کی ضرورت ہے، اگر ناز کرے گا تو پھر خیر نہیں۔

○ جس کے سر پر کوئی بڑا ہوا اس سے پوچھ کر سب باتیں کرنی چاہئیں، یہ تاکید لڑکوں کو خاص طور پر رکھنا چاہئے۔

○ بڑوں سے اگر کسی امر میں اختلاف کیا جائے تو وہ علی الاطلاق مذموم نہیں اگر نیت اچھی ہو تو اس کا مضائقہ نہیں، ہاں اگر بڑے اس سے بھی روک دیں تو پھر کچھ نہ بولو، اور جب تک ان کی اجازت ہو خوب بولو۔

○ اگر غلطی (اپنے کسی بڑے مثلاً) پیر سے ہو تو مرید کو اعتراض نہ کرنا چاہئے، ہاں باادب متنبہ کر دے، جب دیکھے کہ خود متنبہ نہ ہوگا، اگر یہ امید ہو کہ متنبہ ہو جائے گا تو پھر سکوت کرے، اعتراض کرنا بے جا حرکت ہے۔

○ جب آدمی دین کا پابند نہ ہو اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں، کیونکہ اس کا کوئی کام حدود کے اندر تو ہوگا نہیں، دوستی ہوگی تو حدود سے باہر، دشمنی ہوگی تو حدود سے باہر، ایسا شخص خطرناک ہوگا، ہر چیز کو اپنے درجہ میں رکھنا یہی بڑا کمال ہے، آج کل اکثر مشائخ و علماء میں اس کی کمی ہے، کوئی چیز ان کے یہاں اپنے درجہ پر نہیں۔

○ ایک تجربہ کی بات عرض کرتا ہوں کہ وہ نہایت نافع اور موثر ہے، کہ کسی شخص کے درپے نہ ہونا چاہئے، اس میں دو خرابیاں ہیں: ایک تو یہ کہ لوگوں کو غرض کا شبہ ہو جاتا ہے، کہ اس قدر کاوش کیوں ہے؟ اس میں ضرور کوئی اس کی ذاتی غرض ہے، دوسرے یہ کہ اس صورت میں پھر فریق بندی ہو جاتی ہے، پھر کوئی کام نہیں ہوتا، تیسرے ایک اور خرابی ہے وہ یہ کہ شروع میں تو نیت کے اندر خلوص ہوتا ہے پھر جب بات کی چُج ہو جاتی ہے تو نفسانیت بھی آ جاتی ہے، پھر ثواب بھی نہیں ہوتا، اس پر لوگوں کی نظر کم جاتی ہے، یہ ہے باریک بات اور حکم بھی: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمَّا مَنْ اسْتَغْنَىٰ فَاَنْتَ لَهُ تَصَدَّىٰ.

○ ایک مرض اپنی جماعت میں اور پیدا ہو گیا ہے، کہ آپس میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ فلانے بڑے بڑھے ہوئے ہیں اور فلانے کم ہیں، ایک دوسرے کو فضیلت دے کر دوسرے کے عیوب بیان کرتے ہیں، اپنے حضرت کو دیکھا کہ مجمع میں بکثرت لوگ ہوتے مگر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون کس سے بیعت ہے؟

○ میں تو اپنے دوستوں کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو کسی دینی مدرسہ میں درس

وتدریس کا موقع نصیب فرمائیں تو انتظام و اہتمام کو اپنے لئے قبول نہ کریں۔ کیوں کہ دونوں میں تضاد ہے، مدرس اور علمی خدمات کرنے والوں کے لئے یہی زیبا ہے کہ اپنے اسی شغل میں لگے رہیں، مقامی اور ملکی سیاست سے یکسو رہیں۔

○ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب<sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> علماء و صوفیاء و طلباء سب کو یہ وصیت فرماتے تھے کہ جس کام میں لگے ہو، وہ عبادت نماز دعاء کی ہو، یا کتابوں کا مطالعہ، یا درس و تدریس، یا وعظ و پند، سب میں اس کا اہتمام رکھیں کہ اس کام کا جتنا شوق و رغبت دل میں ہے اس کو ختم تک نہ چھوڑنے دیں، بل کہ کچھ شوق و رغبت باقی ہو اس وقت چھوڑ دیں، اس کا اثر یہ ہوگا کہ پھر از سر نو شوق و رغبت جلد پیدا ہوگی اور کام زیادہ ہوگا، اور اگر کام کو شوق و رغبت پورا کرنے اور تھکنے کے بعد چھوڑا تو دوبارہ اس کام کی رغبت و ہمت بہت دیر کے بعد عود کرے گی، اس طرح کام میں نقصان آئے گا۔

○ جس شخص کی طبیعت میں تنعم ہوتا ہے اس سے کوئی کام نہیں ہوتا۔

○ فرمایا: چھوٹی جگہ میں رہ کر کام زیادہ ہو سکتا ہے کیوں کہ وقت فراغت کا زیادہ ملتا ہے، اور بڑی جگہ رہ کر چھوٹا کام بھی نہیں کر سکتا، اور نہ ہو سکتا ہے کیوں کہ زیادہ وقت لوگوں کی دل جوئی میں گذرتا ہے، اس وقت تک جو کام ہوا ہے یہ سب اسی جگہ کی برکت ہے، کام تو گم نامی ہی میں ہوتا ہے۔ (ماخوذ از: العلم والعملاء، افادات: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی<sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup>، مرتبہ: مولانا مفتی محمد زید

صاحب مظاہری، از ۳۶۱ تا ۳۶۲)

## حضرت حکیم الامت<sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> کا ایک گراں قدر ملفوظ

○ ایک سلسلہ گفتگو میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی<sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> نے فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ علماء میں دو چیزیں بالکل نہ ہوں: (۱) کبر (۲) طمع۔ اس کی وجہ سے یہ بڑی دولت سے محروم رہتے ہیں۔ علماء کو امراء سے استغناء چاہئے، یہ لوگ عملاً نون کو حقیر سمجھتے ہیں اور اس حقیر سمجھنے کا زیادہ سبب یہ ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ طامع ہوتے ہیں، اس سے علم اور اہل علم کی تحقیر اور حقارت ان کے دلوں میں مرکوز ہو جاتی ہے، علماء کو ہر وقت اس آیت کا مراقبہ رکھنا چاہئے: ”وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ

وَالْأَرْضِ“ دین میں ضرور محبوبیت کی شان ہے ضرور مطلوبیت کی شان ہے، اگر علماء اپنی وضع پر رہیں ضرور محبوب رہیں۔ میں استغناء تو کیا ذرا استغناء کی نقل کرتا ہوں مگر کم فہم لوگ اس پر مجھ کو ملامت کرتے ہیں کہ سخت ہے، میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میں سخت نہیں ہوں ہاں قلب میں غیرت ضرور ہے، اگر اس کو کوئی سختی سمجھے اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔ جب یہ لوگ عملوں کو حقیر سمجھتے ہیں تو ان متکبروں کے ساتھ یہی برتاؤ کرنا مناسب ہے آخر غیرت اور حیا بھی کوئی چیز ہے، لیکن اگر کسی کو حس ہی نہ ہو تو اس کا کیا علاج؟ (از: ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی دسمبر ۲۰۰۴ء)

## علماء کے کرنے کے چار کام

○ فرمایا: اس وقت اس (تعلیم) کے چند افراد میرے ذہن میں ہیں ان کو عرض کرتا ہوں اور وہ استقرآء چار ہیں: (۱) وعظ۔ (۲) تدریس۔ (۳) امر بالمعروف خطاب خاص۔ (۴) تصنیف۔ علماء کو ان چاروں شعبوں کو اختیار کرنا چاہئے۔ اس طرح کہ طلباء کے سامنے تو مدرس بن کر بیٹھیں، اور عوام کے سامنے واعظ ہوں، اور خاص مواقع میں امر بالمعروف کریں، اور خاص مواقع سے مراد یہ ہے کہ جہاں اپنا اثر ہو وہاں خطاب سے نصیحت کریں، کیوں کہ ہر جگہ امر بالمعروف مفید نہیں ہوتا، اور بعض دفعہ عام لوگوں کو امر بالمعروف کرنے کی وجہ سے مخالفت بڑھ جاتی ہے، جس کا تحمل ہر ایک سے نہیں ہوتا، اور اگر کسی سے تحمل ہو سکے تو سبحان اللہ، وہ امر بالمعروف کریں مگر یہ ضروری ہے کہ اپنی طرف سے سختی اور درشتی کا اظہار نہ کریں، بل کہ نرمی اور شفقت سے امر بالمعروف کرے اس پر بھی مخالفت ہو تو تحمل کرے اور اگر تحمل کی طاقت نہ ہو تو خطاب خاص نہ کرے صرف خطاب عام پر اکتفاء کرے۔

تین کام تو یہ ہیں۔ چوتھا کام تصنیف کا ہے، علماء کو ضرورت کے موقع پر تصنیف بھی کرنا چاہئے، اس کے یہ معنی نہیں کہ سب مصنف اور واعظ ہو جائیں، بل کہ مطلب یہ ہے کہ بقدر ضرورت علماء میں کچھ لوگ مصنف اور واعظ بھی ہونے چاہئیں۔ اگر ایک قصبہ میں بقدر ضرورت واعظ موجود ہوں تو دوسرے علماء پر وعظ کہنا واجب نہیں ان کو درس و تدریس میں مشغول رہنا جائز ہے، اور اگر واعظ کوئی نہ ہو تو مولوی صاحب کو اجازت نہیں کہ وہ صرف مدرس ہی بن کر رہیں بل کہ ضرورت

کے موقع پر ان کو وعظ بھی کہنا چاہئے۔ وعظ میں خاص اثر ہوتا ہے جس سے عوام کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے، نیز عوام کو اس سے وحشت بھی نہیں ہوتی بل کہ دل چسپی ہوتی ہے، اور اس کا جلدی اثر ہوتا ہے۔  
الغرض تصنیف کا نفع بھی عام نہیں اور درس کا نفع تو بہت ہی خاص ہے کہ ایک خاص جماعت تک محدود ہوتا ہے، سب سے زیادہ نفع عام وعظ کا ہے کہ ایک گھنٹہ میں پانچ چھ ہزار کو نفع ہو جاتا ہے، تو وعظ کا نفع اتم و اعم اور اسہل ہے اس لئے اس کو ضرور اختیار کرنا چاہئے۔ (اعلم والعلماء، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹)

## وقار علم

حضرت عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدثین میں سے ہیں، صحاح ستہ میں ان کی روایات موجود ہیں۔ حضرت امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ جیسے حضرات ان کے استاذ ہیں۔ اسحاق بن راہویہ جیسے حضرات ان کے شاگرد، ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے والد یونس بھی ان کے شاگرد ہیں، ان کا واقعہ ملا علی قاریؒ نقل فرماتے ہیں کہ جب ہارون رشید حج کے لئے مکہ مکرمہ آئے تو قاضی القضاة امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ وہ شہر کے مشہور محدثین کو ملاقات کے لئے اس کے پاس لے کر آئیں، امام ابو یوسف نے تمام محدثین کے پاس پیغام بھیجا تو مکہ مکرمہ کے تمام محدثین جمع ہو گئے، مگر حضرت عبداللہ بن ادریسؒ اور حضرت عیسیٰ بن یونسؒ تشریف نہ لائے، ہارون رشید کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے دونوں صاحب زادوں؛ امین اور مامون کو حضرت عیسیٰ بن یونسؒ کے پاس بھیجا کہ ان سے احادیث سن کر آئیں، جب یہ دونوں ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے خوشی سے حدیث پڑھا کر انہیں واپس کر دیا۔ ہارون رشید نے اس کے صلہ میں دس ہزار درہم روانہ کئے، مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، ہارون رشید سمجھے کہ انہوں نے دس ہزار کم سمجھ کر رد کیا ہے، اس لئے اس نے دوبارہ دو گنی رقم بھیج دی، جب یہ رقم حضرت عیسیٰ بن یونسؒ کے پاس پہنچی، تو انہوں نے کہا: کہ اگر کوئی مجھے حدیث کے معاوضہ میں اس مسجد کو چھت تک سونے سے بھر کر پیش کر دے، تب بھی میں اسے قبول نہ کروں گا، چنانچہ ہارون رشید نے پھر رقم قبول کرنے پر اصرار نہ کیا۔ (جمع الوسائل، ۲۳، ۲۵۔ بحوالہ تراشے ۲۳، مولانا محمد مفتی تقی صاحب عثمانی)



## علماء اور اساتذہ کیلئے حضرت فقیہ الامتؒ کی ۱۴ قیمتی وصیتیں

فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد رشید اور خصوصی نیاز مند حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کو جب ڈابھیل کی تدریسی خدمت کے لئے روانہ فرمایا تو بطور وصیت یہ ۱۴ اگراں قدر نصیحتیں ارشاد فرمائیں، جو ہم سب کے لئے لائق تقلید ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عہدہ اور منصب مت طلب کرنا کہ مجھے فلاں کتاب پڑھانے دیا جائے یا فلاں منصب حوالہ کیا جائے۔

(۲) پیسے مت مانگنا کہ میری تنخواہ اتنی کر دو یا اس میں اضافہ کر دیا جائے۔

(۳) اگر کوئی کہے کہ یہ لائق نہیں تو دل سے اس کا اقرار کرنا اور کہنا کہ ہاں بھئی! میں تو بالکل لائق نہیں، مگر مدرسہ والوں نے بٹھا دیا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اس کی لیاقت دے اور کتابوں کا حق مجھ سے اچھی طرح ادا کرائے۔

(۴) کوئی طالب علم سوال کرے تو شفقت سے اس کا جواب دینا اگرچہ وہ بطور طعن سوال کرتا ہو۔

(۵) کسی جگہ کتاب سمجھ میں نہ آئے تو دو رکعت صلاۃ الحاجتہ پڑھ کر دعاء مانگنا، اور مصنف کتاب کو ایصال ثواب کرنا بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

(۶) دوسرے کی کتاب میں کسی طالب علم کو بتلانے میں احتیاط کرنا۔

(۷) طلباء سے خدمت نہ لینا، حضرت حکیم الامتؒ تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں اپنے کسی مرید یا شاگرد سے خدمت لینا حرام سمجھتا ہوں۔

(۸) طلباء سے اختلاط نہیں رکھنا چاہئے اس لئے کہ اس میں مختلف اغراض سے آنے والے ہوتے ہیں۔

(۹) طلباء کا احسان مانو کہ انہوں نے اپنے قلوب کی زمین آپ کے علم کی ختم ریزی کے

لئے ہموار کی، ورنہ آپ کا علم یوں ہی رہتا، اپنا ان پر کوئی احسان نہ سمجھیں۔

(۱۰) طلباء مختلف اغراض سے اشکالات کرتے ہیں، کوئی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے، کوئی استاذ کو پریشان کرنے کے لئے وغیرہ وغیرہ، مگر سب کا جواب علی اسلوب تحکیم دینا، مناظرانہ انداز میں نہیں۔

(۱۱) روزانہ متعلقہ درسی کتاب کے مصنف کو تین مرتبہ ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتے رہنا، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

(۱۲) اگر کوئی بات سبق میں غلط کہہ دی جائے تو اس سے رجوع کرنے میں تاثر نہ کرنا۔

(۱۳) مطالعہ کے بغیر کبھی کوئی کتاب نہ پڑھانا۔

(۱۴) اسباق کی مشغولیت کی وجہ سے ذکر و تلاوت و تسبیحات وغیرہ معمولات کو ترک نہ کرنا۔

(ماہنامہ ندائے شاہی جنوری ۱۹۹۷ء)





## خاتمہ

اخیر میں علماء اور صوفیاء کے اخلاق کے متعلق قطب العالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی ایک جامع تحریر پر اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے، حضرت تحریر فرماتے ہیں:

”صوفیاء کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق ہے، حسب فرمان خداوندی کہ ”بے شک تم بڑے خلق پر پیدا کئے گئے ہو“ اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے ان پر عمل اخلاق صوفیہ میں داخل ہے، صوفیہ کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے: (۱) اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور اس کی ضد ہے تکبر۔ (۲) مخلوق کے ساتھ تطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت کرنا۔ (۳) نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ و غضب کو چھوڑ دینا۔ (۴) ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا خلق پر شفقت کے ساتھ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے۔ (۵) سخاوت کرنا۔ (۶) درگزر اور خطا کا معاف کرنا۔ (۷) خندہ روئی اور بشاشت جسم۔ (۸) سہولت اور نرم پہلو رکھنا۔ (۹) تصنع اور تکلف چھوڑ دینا۔ (۱۰) خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو۔ (۱۱) خدا پر بھروسہ رکھنا۔ (۱۲) تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا۔ (۱۳) پرہیزگاری اختیار کرنا۔ (۱۴) جنگ و جدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ۔ (۱۵) بغض و کینہ و حسد نہ رکھنا۔ (۱۶) عز و جاہ کا خواہش مند نہ رہنا۔ (۱۷) وعدہ پورا کرنا۔ (۱۸) بردباری۔ (۱۹) دور اندیشی۔ (۲۰) بھائیوں کے ساتھ موافقت اور محبت اور اغیار سے علیحدہ رہنا۔ (۲۱) محسن کی شکرگزاری۔ (۲۲) اور جاہ کا مسلمانوں کے لئے خرچ کرنا۔

صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنا لیتا ہے، اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے، بارگاہِ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ سے منہ پھیر لیا جائے، شرم کے مارے حق تعالیٰ کے اجلال و ہیبت کے بسبب، بدترین معصیت تحدیثِ نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا ہے اور ظلمت کا سبب ہے۔ (تاریخ مشائخ چشت ۲۹۳)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مقبول بندوں کے اخلاق و اعمال اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور دنیا و آخرت میں اپنی مرضیات سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

اللّٰهُمَّ اِنعِشْنِي اِحْيِي وَاَرْزُقْنِي وَاَهْدِنِي لِمَا لَكَ مِنَ الصّٰلِحِ الْاَعْمَالِ وَالْاِخْلَاقِ اِنَّهُ لَا يَهْدِي لِمَا لَهَا وَلَا يَصْرِفُ سِوَهَا اِلَّا اَنْتَ . (حاکم عن ابی ایوب، مناجاة مقبولہ)۔  
برحمتك يا ارحم الراحمين، آمین۔



مختصر تذکرہ

# مقبول بارگاہ

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب

باندوی نور اللہ مرقدہ

(المتوفی ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸ اگست بروز جمعرات)

آئندہ صفحات میں عصر حاضر کے مقبول ترین بزرگ، جنید وقت، عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ کی قابل رشک زندگی کی چند جھلکیاں پیش کی جا رہی ہیں، تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ کن صفات عالیہ اور اخلاق فاضلہ کی بدولت آپ کو قبولیت عند اللہ و عند الناس کا بام عروج عطا ہوا تھا، ان میں زیادہ تر واقعات ماہ نامہ ”پیغام محمود دیوبند“ کے ”صدیق نمبر“ (مرتبہ مولانا محمد طیب صدیقی) سے منتخب کئے گئے ہیں، اور شروع میں حضرت کی وفات پر لکھا گیا ”ندائے شاہی مراد آباد“ کا ادارتی مضمون ہے جو اکتوبر ۱۹۷۷ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ (مرتب)



## ایسا کہاں سے لائیں

وہ روح جو ۷۷ سال تک غم فراق میں مضطرب رہی، وہ نفس جو سالہا سال تک آخرت کے شوق میں سرگرداں رہا، وہ مسافر جو ہزار فتنہ سامانیوں کے باوجود دنیا میں رہ کر بھی اپنے کردار سے واقعی ”مَنْ فِي الدُّنْيَا كَعَابِوِي سَبِيلٍ“ کا سراپا نمونہ پیش کرتا رہا، انسانیت کی خیر خواہی سے جس کا خمیر اٹھایا گیا، سادگی اور تواضع کے سانچے میں جسے ڈھالا گیا، ریاضت اور مجاہدہ کی بھیٹی میں جسے کندن بنایا گیا، اتباع سنت کے نور سے جس کی کشادہ جبین ضیاء بار اور اطاعت خداوندی کے جذبہ سے جس کا قلب اطہر منور تھا، جس زندگی جہدِ مسلسل کا عنوان اور جس کی حیاتِ مقدسہ کا ہر لمحہ نفعِ خلاق کے لئے وقف تھا، جس کے پرتا شیر مواعظ سے اگر ظلمت کدوں کو روشنی ملی اور ہزاروں بے راہ روؤں کو ہدایت کا سراپا تھا آیا تو دوسری طرف سیکڑوں تشنگانِ علومِ نبوت نے جس کے فیوضِ عالیہ سے جی بھر کے سیرابی کا شرف حاصل کیا، جس نے اپنے بلند اور امتیازی کردار سے اسمِ باسمیٰ ”صدیق احمد“ ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت پیش کیا، اور جس کی عظمت کے اعزاز میں قدم قدم پر دنیا دیدہ و دل فرس راہ کرتی رہی، وہی عارف باللہ، محبوبِ خلاق، جنیدِ وقت، احیاءِ سنت کا علم بردار، علومِ نبوت کا عاشقِ حقیقی، اور نمونہٴ اسلاف، گذشتہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۹۷ء بروز جمعرات دن میں ۱۰ بجکر ۱۰ منٹ پر لکھنؤ کے ایک نرسنگ ہوم میں ہزاروں جاں نثاروں کو روتا، بلکتا چھوڑ کر اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ۔

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ان مقبولان

بارگاہ میں تھی جن کا محض وجود ہی عالم میں رحمت اور برکت کا باعث ہوتا ہے اور جن کی مستجاب دعائیں نہ جانے کتنے حوادث سے رکاوٹ بنی رہتی ہیں، حضرت قاری صاحبؒ جہاں علم و فضل کے آفتاب تھے وہیں اعمال صالحہ، ورع و تقویٰ، اور زہد و اخلاص میں بھی اپنی نظیر آپ تھے، دنیا سے ایسی بے رغبتی کہ محسوس ہوتا تھا کہ آپ کی نظر میں اس کی حیثیت ٹھیکروں کے برابر بھی نہیں ہے۔ سادگی ایسی کہ دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی زندگی کا نقشہ گھوم جائے، اخلاق ایسے کہ ایک ہی ملاقات میں دلوں کو موم کر ڈالیں، مہمان نوازی کا وہ نمونہ کہ خود مہمان حیرت میں پڑ جائے، طلبہ سے وہ شفقت و محبت کہ ہر طالب علم پہلی ہی نظر میں گرویدہ ہو جائے، ماتحتوں اور اپنے سے چھوٹوں کی وہ عزت اور حوصلہ افزائی کہ ہر شخص قدرتی طور پر دل سے ممنون و مشکور ہو جائے، امت کے لئے تڑپنے والا وہ دل، جو دن رات امت کی خیر خواہی کی فکر میں مشغول رہتا، ہدایت و اصلاح کا وہ مخلصانہ پرجوش جذبہ جس نے آپ کی زندگی سے لفظ ”آرام“ گویا حرف غلط کی طرح مٹا دیا تھا، اور آپ دن رات ایک ہی انداز میں جدوجہد اور محنت کے عادی بن گئے تھے، رات کی اندھیری ہو یا دن کا شور شرابہ، سفر ہو یا حضر، موسم اور حالات سازگار ہوں یا ناموافق، الغرض کوئی بھی چیز آپ کی نفع بخش انتھک مصروفیات کے لئے مانع نہ تھی۔

کئی ماہ سے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کی خبریں مل رہی تھیں، اور بار بار یہ داعیہ پیدا ہوتا تھا کہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عیادت کا شرف حاصل کیا جائے، لیکن ابھی یہ ارادہ ہو ہی رہا تھا کہ ۲۸ اگست ۱۹۹۷ء کو پونے گیارہ بجے کے قریب مدرسہ میں یہ اندوہ ناک خبر پہنچی کہ حضرت قاری صاحبؒ وصال فرما چکے ہیں۔ اس خبر نے تمنائوں کو حسرتوں میں بدل دیا، بے اختیار زبان سے ”اناللہ وانا الیہ راجعون“ نکلا اور حضرت کا پُر نور سراپا نظروں میں گھوم گیا، کہاں دیکھیں گی آنکھیں اب وہ حسن اخلاق اور الفت و مروت کا پیکر، وہ سادگی کا مرقع، عجز و انکساری اور تواضع و فروتنی کا نمونہ اور زہد اسلاف کی زندہ یادگار؟ واقعہ یہ ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کی وفات سے ایسا خلا پیدا ہوا ہے جس کی کسک امت مسلمہ عرصہ دراز تک محسوس کرتی رہے گی۔

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی میں چند اوصاف بہت ہی نمایاں تھے جنہوں نے آپ کی شخصیت کو محبوبِ خلاق اور مقبول عند اللہ بنا دیا تھا۔

## علم سے بے انتہاء شغف

علوم نبوت سے آپ کو حد درجہ عشق تھا، حصول علم میں آپ نے ناموافق حالات کے باوجود انتہائی جدوجہد فرمائی اور جا بجا سفر فرما کر اپنے وقت کے اساطین امت سے اکتساب فیض کیا، اسی عشق نے آپ کو باندہ سے کان پور، پانی پت، مظاہر علوم سہارن پور، مدرسہ شاہی مراد آباد، مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی، ٹونک اور مظفر پور کے مراکز علم کی جادہ پیمائی پر مجبور کیا تھا، جس سے آپ کی ذات معقولات و منقولات کا سنگم بن گئی تھی اور تحصیل علم میں آپ نے اپنے اساتذہ کی نگاہ میں اتنا وقار حاصل کر لیا تھا کہ آپ کے مرشد و مربی حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ اور استاذ گرامی حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ”قیامت میں اگر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا لے کر آئے ہو تو ہم صدیق احمد کو پیش کر دیں گے۔“

فراغت کے بعد جب آپ نے اشاعتِ علم کے لئے اپنی ساری زندگی وقف فرمادی، مختلف اداروں میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد جب آپ نے ۱۳۷۱ھ میں خزینۃ العلوم کے نام سے اپنے وطن مالوف ہتھورا باندہ میں جامعہ عربیہ کی بنیاد رکھی تو آپ کے جذباتِ اشاعتِ علم عروج پر آنے لگے، بنجر علاقہ، جہالت کی آماج گاہ، جرائم اور خوف و دہشت کا ماحول، لیکن اس اللہ کے مخلص بندہ نے انہی جاں گسل حالات میں محض اللہ کے بھروسہ پر کام کا آغاز کیا، اور مسلمانوں کی مرتد شدہ نسلوں کو دوبارہ ایمان کی دولت سے مشرف کرانے لگا، کچے مکان اور کچھریل کے نیچے بیٹھ کر سالوں سال دین کے لئے محنتیں کیں، آس پاس کے دیہاتوں اور جنگل نما آبادیوں میں سفر کر کے مسلمان بچوں کو فراہم کرنے اور انہیں دینی علوم سے آراستہ کرنے میں اپنا خون پسینہ کھپاتے رہے۔ ایک مرتبہ خود دوران گفتگو ارشاد فرمایا کہ:

”یہ مدرسہ کچا تھا اور ضلع باندہ کی مٹی ایسی ہے جو برسات میں بہہ جاتی ہے جس کی وجہ سے



ہر سال دیواریں اور چھتیں گرجانی یا مخدوش ہو جاتی تھیں۔“

فرمایا کہ: ”بسا اوقات ایسا ہوتا کہ برسات میں اندر کے حصے میں کیچڑ ہو جاتی اور طلبہ اور اساتذہ کھڑے کھڑے ہاتھ میں کتاب لئے پڑھتے پڑھاتے تھے۔“

فرمایا کہ: ”ادھر میری حالت آج بھی یہ ہے کہ اگر کسی سے اپنی ضرورت کے لئے کوئی لفظ بھی زبان سے نکل جاتا ہے تو مارے شرم کے پسینہ آ جاتا ہے، اس لئے مدرسہ کے لئے مالیہ بھی زیادہ فراہم نہ ہو پاتا تھا۔“

پھر فرمایا کہ: ”ایک مرتبہ یہی صورت پیش آئی تو میرا دل بھر آیا اور میں نے اپنے استاذ حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو صورت حال لکھی، اس وقت حضرت مفتی صاحب کانپور میں اقامت پذیر تھے، انہوں نے میری ہمت افزائی فرماتے ہوئے پکی تعمیر کے لئے ایک معتد بہ رقم سردست روانہ فرمائی، اور یہ تاکید فرمائی کہ اب کام مت روکنا۔“

فرمایا کہ: ”اس کے بعد سے مسلسل اللہ تعالیٰ نے دست گیری فرمائی اور ضرورت کے اسباب مہیا ہوتے چلے گئے، فالحمد للہ۔ آج یہ مدرسہ ملک کے مرکزی اداروں میں شمار ہوتا ہے، اور جہالت زدہ علاقہ میں علوم نبوت کی ضیاء پاشیاں کر رہا ہے، یہ صرف حضرت قاری صاحب کے بے پایاں اخلاص و توکل اور علمی شغف کی برکت ہے۔ آخری زمانہ میں آپ کے اسفار حد سے زیادہ ہونے لگے تھے، لیکن اس دور میں بھی آپ اپنے متعلقہ اسباق کا حتی الامکان نافع نہ ہونے دیتے تھے، اور کہیں جلسہ میں تشریف لے جاتے تو راتوں رات چل کر واپس تشریف لاتے اور آتے ہی سبق پڑھا دیتے۔ گذشتہ سال ہم لوگ باندہ حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ: ”میں طلبہ کے نقصان کا خیال کرتے ہوئے خود ہی سفر کرتا ہوں اور رات ہی میں واپس لوٹ آتا ہوں، اگر اپنی جگہ کسی اور مدرس کو بھیج دوں تو وہ ایک جلسہ کے لئے ڈیڑھ دو دن کا نافع کرے گا۔ میں صرف اسباق کی پابندی کے لئے یہ مشقت اٹھاتا ہوں۔“ اس سے آپ کے بلند پایہ جذبات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آپ آدابِ تعلیم و تعلم پر بہت زیادہ زور دیتے تھے، اور ان پر نہ صرف یہ کہ خود عمل پیرا تھے

بل کہ مدارس دینیہ سے وابستہ ہر فرد کو اس راستہ پر چلنے کی تلقین فرماتے تھے، چنانچہ اس موضوع پر آپ نے دو رسالے ”آداب المتعلمین“ اور ”آداب المعلمین“ کے نام سے تالیف فرمائے، جو اپنے موضوع پر نہایت مفید اور مقبول ہیں۔ علاوہ ازیں طلبہ کی ناقص استعدادوں کا خیال فرماتے ہوئے آپ نے تجوید، نحو، صرف اور منطق پر مختصر رسالے مرتب فرمائے اور منطق کی ادق کتاب ”سلم العلوم“ کی شرح لکھی جو دیگر شروحات کے مقابلہ میں آسان اور جامع ہے۔ اسی طرح ”شرح جامی“ کی مبسوط شرح تالیف فرمائی۔ اور اب آخری عمر میں ہوش رہا مصروفیات اور مسلسل اسفار کے دوران ”شرح تہذیب“ کی شرح تحریر فرمائی جو آپ کے بے انتہا علمی شغف کی آخری نشانی ہے، آپ عمر کے آخری لمحات تک تعلیم و تعلم ہی میں مشغول رہے۔ بدھ ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ کو ظہر کے بعد آپ نے ”سلم العلوم“ کا درس دیا اس کے بعد ”بخاری شریف“ کے درس کے لئے وضو فرما رہے تھے کہ مرض الوفا کا آغاز ہوا، گویا کہ باقاعدہ ہوش و حواس کے آخری لمحات آپ نے اپنی زندگی کے محبوب مشغلہ میں گزارے، اور جب طبیعت زیادہ بگڑنے پر آپ کو باندھ سے لکھنؤ لے جایا جانے لگا تو آپ نے آخری بات یہی ارشاد فرمائی کہ: ”مدرسہ کا خیال رکھنا اور طلبہ اور اساتذہ سے سلام کہنا“۔ خدا کرے کہ آپ کا لگایا ہوا یہ علمی گلشن ہمیشہ سرسبز اور شاداب رہے، اور آپ کے لئے بیش از بیش صدقہ جاریہ کا سامان فراہم ہوتا رہے، آمین۔

## سادگی اور تواضع

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی کا نہایت تاب ناک پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیوی تکلفات اور تصنع اور بناوٹ سے طبعی طور پر بالکل مستغنی کر دیا تھا، آپ کی ہر ہر ادا سے سادگی اور تواضع ٹپکتی تھی، کھانے، پینے، لباس، ضروریات، ہر چیز میں سادگی اختیار فرماتے، عام طور پر سفر میں کالی دھاریوں والا معمولی سوتی رومال، کپڑے کا تھیلا جس میں ایک لوٹا، ایک لنگی اور ضرورت ہو تو ایک جوڑا کپڑا، بس یہی چیزیں ساتھ ہوتیں۔ حتیٰ کہ میرے ایک دوست نے جو افریقہ کے سفر میں حضرت قاری صاحب کے ساتھ بمبئی سے جو ہانسبرگ گئے تھے بتایا کہ سفر افریقہ میں بھی

حضرت قاری صاحب کا کل سامان یہی کپڑے کا تھیلا تھا، بمبئی ایرپورٹ پر الوداع کہنے والے بعض احباب نے بہت زور دیا کہ حضرت کوئی بریف کیس لے لیں، لیکن حضرت نے قبول نہیں فرمایا۔

گذشتہ سال احقر نے ایک ٹوپی اور عربی رومال ہدیہ میں پیش فرمایا تو ٹوپی تو قبول فرمائی، مگر رومال دیکھ کر فرمایا کہ: ”یہ تو آپ ہی کی شان کے لائق ہے“، اور قبول نہیں فرمایا۔ آپ دل سے اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتے اور اپنے چھوٹوں سے بھی انتہائی اکرام اور احترام کا معاملہ فرماتے تھے، عام طور پر مقررین اور واعظین اپنے سامنے جلسہ میں کسی دوسرے کی تقریر پسند نہیں کرتے لیکن آپ کا طرز عمل اس کے بالکل برعکس تھا، آپ تاکید کر کے اپنے سے قبل کسی دوسرے عالم کی تقریر کراتے اور نہایت غور سے اس کی بات سنتے، اور پھر عموماً اسی مضمون کو لے کر اپنا وعظ شروع فرمادیتے۔

مراد آباد اور اس کے اطراف میں حضرت قاری صاحب کی تشریف آوری پر کئی پروگراموں میں اپنے وعظ سے قبل اس ناکارہ کو تقریر کا امر فرمایا اور پھر ایک تقریر پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ آج تم نے وہی باتیں کہہ دیں جو میں کہنا چاہتا تھا، میں نے عرض کیا کہ یہ صرف آپ کی توجہ کی برکت ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ خوردنوازی آپ کے کمال اخلاص اور تواضع کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

زمانہ طالب علمی میں احقر کو بار بار دارالعلوم دیوبند میں حضرت قاری صاحب کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، جب آپ تشریف لاتے تو مشتاقان زیارت کی بھیڑ لگ جاتی اور آپ جدھر جاتے طلبہ کا ایک بڑا مجمع آپ کے ساتھ ہوتا، کئی مرتبہ طلبہ وغیرہ نے آپ سے دارالعلوم میں وعظ کی درخواست کی تو آپ نے اذراہ تواضع صاف انکار فرمادیا اور کہا کہ ”جس جگہ اکابر نے وعظ کہا ہو وہاں میں وعظ نہیں کہہ سکتا“ اسی طرح ۱۹۹۵ء میں جب آپ مدرسہ شاہی میں رونق افروز ہوئے اور طلبہ دورہ حدیث شریف نے تیر گا ایک سبق پڑھانے کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا ”جس ادارہ میں میں نے درس لیا ہے وہاں درس دینے کی ہمت نہیں ہے“ اسی بے مثال تواضع کا اثر یہ تھا کہ آپ کا قلب مبارک بغض و کینہ کے اثرات سے محفوظ تھا آپ اپنے تمام اکابر اور معاصرین سے تعلقات استوار رکھتے اور گروپ بندی سے اپنے آپ کو پوری طرح بچائے رکھتے تھے، یہی وجہ ہے

کہ آپ کی شخصیت جماعتی اور مدارس کے اختلافات سے بلند تر تھی اور آپ کی ذات کو ہر طبقہ میں یکساں مقبولیت حاصل تھی۔

## کمال زہد

حضرت قاری صاحب کا ایک ممتاز وصف آپ کا بے مثال زہد و استغناء تھا، دنیا آپ کے قدموں میں ذلیل ہو کر آتی تھی لیکن آپ اسے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے، مال داروں کی اصلاح کا جذبہ ضرور تھا لیکن ان کی دولت و ثروت سے ذرہ برابر بھی دل چسپی نہ تھی، اسی استغناء نے آپ کو مقبولیت و محبوبیت کی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا، اور آپ کی ذات ارشاد نبوی ازہد فی الدنیا یحبک اللہ و ازہد فی ما عند الناس یحبک الناس (دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ و عند اللہ محبوب بن جاؤ گے اور لوگوں کے مال و دولت سے اعراض کرنے لگو تو لوگوں کی نظر میں محبوب بن جاؤ گے) کی چلتی پھرتی تفسیر بن گئی تھی، آپ نے ساری دینی خدمات حسبہ اللہ انجام دیں، نہ صرف یہ کہ مدرسہ سے مشاہرہ نہ لیتے بلکہ اسفار میں بھی کرایہ کے علاوہ نذرانے وصول نہ فرماتے، اور کہیں کہیں تو اپنا ہی کرایہ خرچ کر کے تشریف لے جاتے تمام مہمانوں کا صرف اپنے حساب سے ادا فرماتے، مدرسہ پر اس کا بوجھ نہ ڈالتے تھے۔

## عشق نبوی

علاوہ ازیں اتباع سنت میں بھی آپ کا قدم بہت راسخ تھا، معمولی سے معمولی سنت کی ادائیگی کا بھی نہایت اہتمام فرماتے۔ گذشتہ سال ہم لوگ حاضر تھے، رات میں آرام فرمانے سے قبل آپ نے وضو فرمایا، پھر ارشاد فرمانے لگے ”اب اٹھتے بیٹھتے تکلیف ہوتی ہے، سوتے وقت وضو کا اہتمام دشوار ہوتا ہے لیکن بعض بزرگوں کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک رات با وضو سونے کے لئے انہیں ۱۴ مرتبہ وضو کرنا پڑا اور ہر مرتبہ پوری بشاشت سے وضو کرتے رہے تاکہ انہیں سنت کے موافق سونا نصیب ہو جائے، ایسے بزرگوں کے حالات سے عمل کی ہمت ہو جاتی ہے“۔

آپ ہر عمل میں اتباع سنت کو ہی ملحوظ رکھتے، اور اسی نیت سے تمام امور انجام دیتے تھے، آپ کا معمول تھا کہ جب کوئی عالم آپ سے ملنے ہتھورا حاضر ہوتا تو اس کو طلبہ میں بیان کرنے کا حکم فرماتے، ہم چند احباب حاضر ہوئے تو حسب معمول آپ نے تقریر کا پروگرام رکھا، ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم تو استفادہ کے لئے حاضر ہوئے ہیں، افادہ کے لائق نہیں ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ: ”کیا مہمان کا اکرام سنت نہیں ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق آپ کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھا، کبھی کبھی یہ عشقیہ جذبات الفاظ کے پیکر میں ڈھل کر منظوم کلام کی شکل اختیار کر لیتے اور اس کے لفظ لفظ سے آپ کے سوز و گداز اور دردِ دل کا اظہار ہوتا تھا، ایک مرتبہ بیماری کی حالت میں آپ نے بڑی درد انگیز نعت ارشاد فرمائی جس کے چند اشعار آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

دواؤں سے طبیعت رو بہ صحت ہے نہیں میری ❖ طبیعت مضطرب ہے اب نہیں لگتی کہیں میری  
 نہیں سمجھا کوئی اس درد کو یہ درد کیسا ہے ❖ دواؤں سے شفا ہرگز نہیں ہرگز نہیں میری  
 علاج اس کا فقط یہ ہے کہ طیبہ ہوں گا میں ❖ دیارِ قدس میں اشکوں سے تر ہو آستیں میری  
 ندن میں چین ملتا ہے نہ شب میں نیند آتی ہے ❖ سکوں باقی نہیں ہے خاطر اندوہ گیس میری  
 وہ نقشہ جم گیا ہے اب تو دل میں ذاتِ اقدس کا ❖ تصور میں وہ رہتے ہیں نگاہیں ہوں کہیں میری  
 ہوا دیوانہ جب سے آپ کا خلوت میں رہتا ہوں ❖ کسی سے بات کرنے کی کوئی خواہش نہیں میری  
 آپ کی دیگر نعمتیں بھی انہی جذبات کی آئینہ دار ہیں جن میں سے بعض آپ کی تالیف ”سیرت سید المرسلین“ میں شائع ہو چکی ہیں۔

الغرض انہی خوبیوں کی وجہ سے خلقِ خدا آپ کی طرف کھینچی چلی جاتی تھی، آپ کی آمد کی خبر سن کر گاؤں دیہات میں بھی ہزاروں کا مجمع اکٹھا ہو جاتا اور آپ کا سادہ اور تکلف سے خالی وعظ حاضرین پر اس قدر اثر انداز ہوتا کہ بڑی بڑی مرصع تقریروں سے بھی وہ بات حاصل نہیں ہو پاتی، آپ کی باتیں ”از دل خیزد بردل ریزد“ (دل سے نکل کر دل تک پہنچنے) کا مصداق ہوتی تھیں،

یہ آپ کی ظاہر و باطن کی یکسانیت اور علم و عمل میں مطابقت کا اثر تھا جسے ہر شخص محسوس کرتا تھا۔  
 آج حضرت قاری صاحبؒ کی ذات ہم میں گو کہ موجود نہیں مگر آپ کی زندگی کے تابندہ  
 نقوش ہمارے سامنے ہیں، ہماری نظر میں حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں سب سے بڑا خراج  
 عقیدت یہ ہے کہ ہم آپ کی زندگی کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں، اور آپ کی بلند پایہ صفات اپنے  
 اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں، ہمارا یہ عزم حضرت کی روح کو خوش کرنے کا ذریعہ بنے گا، انشاء اللہ۔  
 اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے، اور حضرت قاری صاحبؒ مرحوم کے درجات کو بلند سے بلند  
 فرمائے، آمین۔



# حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی کی چند عبرت آموز جھلکیاں

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ کی وفات پر بہت سے حضرات نے تعزیتی مضامین لکھے، اور بعض رسائل نے خاص نمبر بھی شائع کئے، تاہم ان مضامین میں حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سنبھلی مدظلہ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا تاثر اتنی مضمون سب سے ممتاز قرار دیا گیا، جس میں آں موصوف نے حضرت قاری صاحبؒ کے بارے میں اپنے چشم دید حالات اس انداز میں جمع فرمائے کہ پڑھنے والے ان کے ذریعہ بڑی عبرت اور نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔ احقر اسی مضمون سے انتخاب کر کے چند واقعات ذیل میں نقل کر رہا ہے، اسی کے ساتھ ماہنامہ ”پیغام محمود دیوبند“ کے ”صدیق نمبر“ کے دیگر مضامین سے کچھ منتخب چیزوں کو شامل کیا ہے۔ اور اس سلسلہ کے اخیر میں حضرت قاری صاحبؒ کے ان قیمتی بیانات کی تلخیص درج ہے جو حضرتؒ نے مراد آباد کے سفر ۱۴۱۶ھ کے دوران متعدد مجالس اور اجلاسوں میں فرمائے تھے، اور جنہیں بعد میں ”ندائے شاہی“ میں شائع کر دیا گیا تھا۔ امید ہے کہ دیدہٴ عبرت کے ساتھ ان باتوں کو پڑھنے سے قارئین کو نفع ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

## پر مشقت طالب علمی

اپنی ابتدائی طالب علمی کا یہ واقعہ حضرت نے بارہا سنایا کہ میرے استاذ جوگاؤں کی مسجد میں مجھے حفظ کراتے تھے، صرف سات یا آٹھ پارے کے حافظ تھے، جب میں نے اتنے پارے حفظ کر لئے، تو فرمایا: ”بیٹا اب تم کہیں باہر چلے جاؤ، ہم تو صرف اتنا ہی پڑھا سکتے تھے“، حضرت کے والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا، والدہ مرحومہ نے کچھ کر کے تھوڑا بہت انتظام ”کان پور“ جانے

کا کر دیا، حضرت کے ساتھ کچھ خشک روٹیاں اور غالباً تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے بھی کر دئے، کان پور کے کسی مدرسہ میں جا کر داخلہ لے لیا، مدرسہ سے کھانے کا انتظام ہوا نہیں، یا حضرت نے لینا پسند نہیں کیا، یہ تفصیل مجھے یاد نہیں رہی، بہر حال کھانا مدرسہ سے نہیں ملتا تھا، کچھ دن تو ساتھ لائے ہوئے سامان پر گزارا کیا، جب وہ ختم ہو گیا تو اللہ نے ایک وقت کے کھانے کا انتظام اس طرح کر دیا کہ کان پور کے استاذ صاحب نے فرمایا صدیق! تم ہمارے گھر سرکاری نل سے پانی بھر دیا کرو اور ایک وقت کا کھانا ہمارے یہاں سے لے لیا کرو، ان کا گھر بالائی منزل پر تھا، دودو بالٹی لے کر زینہ پر چڑھنا پڑتا تھا، فرماتے تھے بیچ زینہ میں کھڑے ہو کر رولیا کرتا تھا، لیکن اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا، چوبیس گھنٹے میں صرف ایک وقت کھانا ملتا تھا، لیکن حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب بننے کے لئے ابھی اور سخت تربیت اللہ کو منظور تھی، حضرت نے بارہا سنایا کہ ایک مہینہ بھی اس ایک وقت کے کھانے کے انتظام کو نہ ہوا تھا کہ ہمارے گاؤں کے ایک ساتھی حافظ نعمت اللہ صاحب میرے ساتھ پڑھنے کے لئے کان پور آ گئے، اب صورت یہ تھی کہ ایک وقت کا کھانا اور دو آدمی، کچھ دنوں کے بعد ایک ساتھی اور آ گئے، اب چوبیس گھنٹے میں صرف ایک ایک چپاتی ہی حصہ میں آتی تھی، یہ نئے آنے والے ساتھی تو آزمائش کو برداشت نہیں کر سکے اور جلد ہی وطن واپس چلے گئے، لیکن حضرت اور جناب حافظ نعمت اللہ دونوں نے ایک سال پورا صرف ایک وقت کی ایک خوراک میں گزار دیا۔ (بروایت: مولانا محمد زکریا سنہلی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، از پیغام محمود یو بند ۸۵)

## اصلاح امت کی دھن

ضلع باندہ اور اس کے قرب و جوار میں کوئی قابل ذکر دینی ادارہ نہ تھا اور نہ کوئی شخصیت مدت سے دینی کام کرنے والی رہی تھی، اس لئے اس علاقہ کا دینی حال بہت ہی خراب تھا۔ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی تھی جو صرف نام کے مسلمان تھے، حقیقت اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا، بلکہ بعض برادریاں تو اپنا تعارف اس طرح کرتی تھیں کہ ہم نہ ہندو ہیں اور نہ مسلمان، ہم تو فلاں برادری سے تعلق رکھتے ہیں، آزادی کے بعد باندہ ضلع میں شدھی تحریک والوں



نے کمزور مسلمانوں کو ہندو بنانا شروع کر دیا تھا اور ارداد کا ایک سیلاب سا آ گیا تھا، سینکڑوں نہیں ہزاروں مسلمان یا تو واقعی مرتد ہو گئے تھے یا بالکل ارداد کے قریب پہنچ گئے تھے۔ حضرت اس زمانہ میں فتح پور کے ایک مدرسہ اسلامیہ میں پڑھاتے تھے، وہاں باندہ اور اس کے اطراف کی یہ خبریں پہنچتی رہتی تھیں، خود سناتے تھے کہ ایک رات کو سونے کے ارادے سے جب لیٹا تو یہ خیال آ گیا کہ کل قیامت میں اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ سوال نہیں فرمائیں گے کہ تم نے یہ کتابیں پڑھائی تھی کہ نہیں؟ بلکہ مجھ سے یہ سوال ہوگا کہ تمہارے علاقہ میں ارداد بھیل رہا تھا، لوگ مرتد ہو رہے تھے تم نے کیا کیا؟ اس سوال کے ذہن میں آنے سے نیند غائب ہو گئی، ساری رات اسی فکر میں ذہن غلطاں و پچپاں رہا اور ایک منٹ کو بھی نہ سوسکا، لیکن صبح ہونے سے پہلے ہی دل و دماغ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب اپنے علاقہ کے لوگوں میں کام کرنا ہے اور ان کے ایمان کی فکر کرنی ہے۔ پھر اسی ارادہ سے اہل مدرسہ سے اجازت لے کر اپنے یہاں چلا آیا، شروع میں کام کی صورت یہ تھی کہ ایسے علاقوں کے دیہات میں جہاں ارداد کی وبا عام ہو رہی تھی، حضرت نے تنہا دورہ شروع کر دیا اور جہاں اور جیسے دین کی بات کرنے کا موقع ملتا بات کرتے۔ میں نے ابھی کچھ دن پہلے اس دورہ کی کچھ تفصیلات دریافت کی تھیں، تو فرمایا کہ جو لوگ میرے گاؤں سے واقف تھے، ان سے ہتھورا کے حوالے سے تعارف کرا کر بات کرتا اور جو لوگ میری سسرال کے لوگوں سے واقف تھے، ان سے ان لوگوں کے حوالے سے بات شروع کرتا، اسی طرح ایک دن میں کئی کئی دیہات گھوم پھر کر دین کی بات ان لوگوں کو پہونچایا کرتا تھا، میرے سوال کے جواب میں یہ بھی فرمایا کہ رات کا قیام کبھی کسی کھلیان میں، کبھی کھیتوں کی پگڈنڈیوں میں بھی کرنا پڑتا تھا، اس طرح کام کرتے ہوئے کئی مہینہ گزر گئے، تو محسوس ہوا کہ مدرسہ کی ضرورت ہے جسے اس کام کے مرکز کے طور پر استعمال کیا جائے اور ان لوگوں کے بچوں کو وہاں پڑھانے کے لئے لے جایا جائے، مدرسہ کی تجویز مولانا نے باندہ اور قرب و جوار کے لوگوں کے پاس جا جا کر رکھی، بعض حضرات سے بڑی امیدیں وابستہ کر کے ان کے پاس گئے لیکن اس کام کے نام سے ہی سب کانوں پر انگلیاں رکھ لیتے تھے، لوگوں نے یہ تک کہا: ”صدیق! یہاں جان کے لالے پڑے ہیں اور تم مدرسہ کی بات کرتے ہو،“ اس سلسلہ کی تفصیلات

حضرت بہت بتلایا کرتے تھے، بہت سی ابھی تک میرے حافظہ میں محفوظ ہیں، مگر بات بہت طویل ہو جائے گی، ہر طرف سے مایوس ہو کر مولانا نے اپنے گاؤں میں مدرسہ کھول ہی دیا، گاؤں والے سب بے حد غریب، کچے کچے مکانات مسجد بھی چھوٹی اور خستہ، مگر مولانا کے عزم مصمم کے سامنے کوئی رکاوٹ، رکاوٹ نہ رہی۔ ان ہی دنوں حضرت نے ایک طویل نظم کہی تھی، جس کے کچھ اشعار حضرت نے مجھے بھی کئی بار سنائے اور جب بھی سناتے آنکھیں اشک بار ہو جاتی تھیں، نظم کیا تھی ٹوٹے دل کی آپیں تھی۔ (مولانا محمد زکریا سنہلی، پیغام محمود ۸۶، ۸۷)

## مدرسہ کی تعمیر میں شرکت

مدرسہ کے قریب ایک نالہ ہے، برسات میں اس کا پانی اپنے چھوٹے چھوٹے کنکر بڑی مقدار میں بہا لاتا ہے، وہ کنکر خاص خاص جگہوں پر نالے کے کنارے جمع ہو جاتے ہیں، پتھر کی تعمیر میں چونے کے ساتھ ملا کر یہ کنکر استعمال کئے جاتے ہیں، حضرت اس بات سے بہت واقف تھے کہ نالے کے کس کس موڑ پر کنکر زیادہ ملتے ہیں، پھر ان کو جمع کرنا اور دھونا بھی خوب جانتے تھے، طلبہ کو لے کر خود نالے پر تشریف لے جاتے، طلبہ کے ساتھ کنکر جمع کرتے، ان کو ٹوکریوں میں کر کے خود ڈھوتے اور نیل گاڑی پر لدا کر لاتے تھے۔ حضرت کے ساتھ کام کرنے میں بڑا مزہ آتا تھا، سب ہی لوگ حضرت سے بے تکلف تھے، حضرت سے چھیڑ چھاڑ بھی کر لیتے تھے، ایسا پیارا اور محبوب مربی نہ دیکھا نہ سنا، لطیف بھی ہوتے تھے، حضرت ہنستے ہنساتے بھی تھے، ایسی حسین ہنسی اور اتنے خوب صورت دانت کم ہی دیکھے ہوں گے، تعمیر کے سلسلے میں سب لوگوں سے مشورہ بھی لئے جاتے اور مشوروں کو قبول بھی فرماتے تھے، اس طرح تنکا تنکا کر کے یہ آشیانہ تعمیر ہوا ہے۔ اپنے مدرسہ کے علاوہ حضرت کو بستی بستی قریہ قریہ مکاتب کے قیام کی بہت فکر رہتی تھی۔ (مولانا محمد زکریا سنہلی، پیغام محمود ۸۸)

## بے مثال تواضع

مولانا تواضع و انکساری کے پیکر تھے، اپنی ذات کو سب سے کمتر اور اپنے کو سب کا ادنیٰ خادم

سمجھتے تھے، خدمت کے واقعات بہت سے پڑھے ہوں گے، یہ بھی پڑھ لیجئے: مدرسہ میں مسجد کے سامنے بارہ عدد بیت الخلاء بنے ہوئے تھے، جو طلبہ و اساتذہ کے بھی استعمال میں رہتے تھے، باندہ کے دیہاتی طلبہ جس جس طرح ان کو گندہ کر سکتے تھے، کرتے تھے۔ لیکن صبح کے وقت سب بیت الخلاء روزانہ بالکل دھلے ہوئے ہوتے تھے، کسی کو دھونے والے کا پتہ نہ چلتا تھا، ایک مرتبہ تقریباً ڈھائی بجے مجھے بیت الخلاء جانے کی ضرورت محسوس ہوئی، جب میں کسی قدر قریب پہنچا تو دیکھا کہ کوئی صاحب مسجد کے وضو خانے کا پانی جس گڈھے میں جمع ہوتا تھا اس سے بالٹی میں پانی لے کر بیت الخلاء دھور ہے ہیں، غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ یہ تو ہمارے حضرتؒ ہی ہیں، کہاں کا تقاضا؟ خاموشی سے آکر اپنی چار پائی پر لیٹ گیا اور حضرتؒ کو یہ کرتے دیکھتا رہا، آگے بڑھ کر حضرتؒ کے ساتھ شریک ہونے کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ حضرتؒ کو راز فاش ہو جانے پر افسوس ہوگا، اور حضرتؒ کو یہ سب کرتا دیکھ کر نیند کا کیا سوال؟ اس کام سے فارغ ہو کر مسجد کے قریب کنویں پر جوئل لگا تھا، وہاں جا کر غسل فرمایا، اور مسجد کے صحن میں تہجد کی نماز شروع کر دی، اللہ ہی جان سکتا ہے کہ اس کے یہاں ان کاموں کا کیا اجر ملے گا، اور اس تہجد کی نماز پر اس کو کتنا پیارا آتا ہوگا؟ اپنے کمرے کے سامنے صحن اور برآمدہ میں جھاڑو دے لینا تو کوئی بات ہی نہ تھی، یہ تو روزمرہ کا کام تھا۔

بہت ہی معزز مہمانوں کے لئے حضرتؒ کے کمرہ کے قریب دو بیت الخلاء بنے ہوئے تھے، ایک مرتبہ مدرسہ میں ایک بہت محترم بزرگ آنے والے تھے کہ اس بیت الخلاء کا ٹینک بھر گیا، مولوی محمد منظور اور مولوی انیس احمد جو حضرت کے قریبی لوگوں میں ہیں بلایا، اور فرمایا کہ ایک کام ہے، ہم ہی لوگ کر سکتے ہیں، بتلاؤ: کرو گے؟ ان لوگوں نے عرض کیا ضرور۔ فرمایا یہ کام ہے، ان نوجوانوں کو بھی شاباش ہے کہ ان لوگوں نے حضرتؒ کے ساتھ یہ کام کیا، انہی دونوں کی روایت ہے کہ: حضرت بھی بالٹیاں بھر کر غلاظت وہاں سے لے جا کر دور رکھتے میں ڈال کر آتے تھے۔ (مولانا محمد زکریا سنہلی، پیغام محمود ۸۸)

## اپنے لئے احتیاط ہی پسند تھی

مولانا کے یہاں اساتذہ کی تنخواہیں تو واقعی کم تھیں لیکن اور بہت سی سہولتیں ایسی تھیں جن

سے تنخواہوں کی کمی کی تلافی ہو جاتی تھی، مثلاً: اساتذہ کو مکانات بہت ہی کم کرایہ پر دئے جاتے تھے، اور حتیٰ الوسع ہر خواہش مند استاذ کو مولاناؒ مکان فراہم کر دیتے تھے، اسی طرح مطبخ کے لئے جو غلہ تیل وغیرہ فصل کے موقع پر جس نرخ سے غلہ خریدا گیا تھا، اسی نرخ سے سال بھر اساتذہ کو دیتے رہتے تھے، یہ سامان قرض بھی دیا جاتا تھا، اور قیمت قسط وار تنخواہ سے کٹتی رہتی تھی۔ رمضان المبارک سے پہلے شعبان میں رمضان کے خرچ کے لئے چاول، دال اور تیل وغیرہ مطبخ کے بند ہونے سے پہلے ہی دے دیا جاتا تھا۔

جس سال مولوی حبیب صاحب (حضرت کے بڑے صاحب زادے) مدرس ہوئے ہے، اس سال شعبان کا واقعہ ہے کہ مطبخ کے ذمہ دار حضرات عام اساتذہ کو یہ سامان دے رہے تھے، مولوی حبیب صاحب اتفاقاً ادھر سے گزرے (اس وقت مطبخ اتنا اندر نہیں تھا) تو انہوں نے مولوی حبیب صاحب سے کہا، آپ کو بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو لے لیں، آپ بھی تو اب استاذ ہو گئے ہیں، مولوی حبیب صاحب نے ان کے کہنے پر دو تین کلو چنے کی دال قیمہ لے لی، اور دال لے کر نکل رہے تھے کہ ادھر سے حضرت تشریف لے آئے، دریافت فرمایا کہ کیا ہے؟ آواز میں کڑختگی تھی، بے چارے مولوی حبیب صاحب تو گھبرا گئے، غالباً مطبخ کے ذمہ دار نے ان کی طرف سے عرض کیا، تین کلو دال نقد قیمت دے کر لی ہے، میں نے حضرتؒ کے غضب کا ایسا حال کبھی نہ دیکھا تھا، انتہائی سخت انداز میں مولوی حبیب احمد کو ڈانٹا اور فرمایا کہ تمہارے باپ کا مال ہے، میں بھیک مانگ مانگ کر تمہارے لئے لاتا ہوں؟ میں فوراً پہنچ گیا عرض کیا، وہ بھی تو مدرس ہیں اور یہ سہولت تو سب ہی مدرسین کے لئے ہے، لیکن حضرتؒ کا غضب کسی طرح کم نہ ہوا، ہم سب ہی لرز گئے، بے چارے مولوی حبیب احمد صاحب کا تو برا حال تھا، کسی طرح مطبخ واپس گئے اور وہ دال واپس کی۔

اپنے اور اپنے اہل و عیال کے بارے میں حضرتؒ کی احتیاط کا یہی حال تھا مدرسہ سے نہ کبھی تنخواہ لی، اور نہ کوئی سہولت اپنے لئے یا اپنی اولاد کے لئے مدرسہ سے حاصل کی۔ جس زمین میں مدرسہ بنا ہوا ہے، اس کا اکثر حصہ مولاناؒ کے خاندان یا اعزہ کی ملکیت تھا، نیز جس کمرہ میں حضرتؒ کا

قیام تھا، وہ بھی حضرت ہی نے اپنے لئے بنوایا تھا، مدرسہ کی رقم اس میں صرف نہ کی تھی، مدرسہ کے کاموں سے سفر کرنا ہوتا تھا، تب بھی حتی الوسع مدرسہ سے کرایہ نہ لیتے، اور سفر میں کوئی معمولی سی تجارت کر لیتے جس سے کرایہ نکل آتا، مدرسہ کے ایک استاذ مولانا سعد اللہ صاحب کی کرائی کی دوکان تھی، کان پور تشریف لے جا رہے تھے، فرمانے لگے: مولوی سعد اللہ صاحب بتلائیے! آپ کی دوکان کے لئے کان پور سے کیا لیتے آئیں؟ جس سے ہمارا کرایہ نکل آئے، مولانا سعد اللہ صاحب نے عرض کیا: حضرت ”سن لائٹ صابن“ ہمیں باندہ میں اس قیمت کا ملتا ہے، کان پور میں آپ کو اس سے کم قیمت کا مل جائے گا، آپ ایک پیٹی صابن لے آئیں، ہم لے لیں گے، آپ کا کرایہ نکل آئے گا۔ مولانا کان پور سے واپسی میں ایک پیٹی سن لائٹ صابن لے آئے، اور مولانا سعد اللہ صاحب کو دے دیا۔ اس میں صابن کی قیمت اور مولانا کا کرایہ بھی نکل آیا، اور چھ عدد سن لائٹ صابن بچ رہے، فرمایا یہ غریب طلباء کے کام آجائیں گے۔ (مولانا محمد زکریا سنہلی، پیغام محمود، ۹۶، ۹۷)

## مہمانوں کا اکرام

احادیث میں اکرام ضیف کو ایمان کی علامت بتایا گیا ہے، حضرت کے یہاں اس کا اہتمام آخری حد تک تھا، مہمانوں کی آمد تو وقت بے وقت ہوتی ہی رہتی تھی، مولانا مہمانوں کو مدرسہ کے ذمہ نہ کرنا چاہتے تھے، اب اس کی صورت یہی تھی کہ اپنے گھر جو کچھ ہو یا ہو سکے تو لے آئیں، اور بعض بہت ہی قریبی عزیزوں کے گھروں سے کچھ لے آئیں۔ مولانا کا کمرہ جو دار الضیافت بھی تھا، اس میں ایک عدد المونیم کی سینی، چار عدد المونیم کے پیالے اور ایک کپڑا جس میں مختلف رنگوں کے کپڑوں کے پیوند لگے ہوئے تھے، رکھا تھا۔ اگر بے وقت مہمان آتے تو حضرت خود ہی یہ مذکورہ سامان اٹھاتے اور چل دیتے اور اپنے گھر اور عزیزوں کے گھروں سے کھانا لانے کے لئے، جس کا گھر راستہ میں پڑ جاتا، آواز دیتے جاتے، اور ایک پیالہ کپڑا لے جاتے، صاحب خانہ اپنے گھر سے جو کچھ ہو سکتا تھا، مدرسہ لے کر پہنچ جاتے، پھر حضرت اپنے گھر جا کر جو کچھ ملتا یا جلد انتظام ہو سکتا، لے آتے۔ میں الحمد للہ مولانا کے کسی حد تک قریب تھا، کبھی کبھی یہ کام میں نے بھی کیا، مگر بہت کم،

گاؤں کے لوگوں کا میرے ساتھ بھی بہت محبت کا تعلق تھا۔

ایک دفعہ حضرتؒ کی عدم موجودگی میں بے وقت ایک مہمان آگئے، ایک بہت ہی قریبی دوست کے گھر جا کر میں نے بھی آواز لگا دی، وہ گھر پر نہ تھے، بچوں کے ذریعہ اپنی بات اندر تک پہنچادی کہ مہمان آگئے ہیں، ایک پیالہ سالن یادال دے دیں، اللہ ان کی اہلیہ کو بہت ہی جزائے خیر دے کہ انہوں نے بچے کے ذریعہ پوری پتیلی باہر بھیج دی کہ مہمانوں کو کھلا دیں، جو بچ جائے واپس کر دیں، ابھی بچوں نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ اس گاؤں کے لوگ مہمان نوازی میں بے مثال تھے، حضرتؒ گاؤں کے لوگوں کے احسانات کا جو مدرسہ کے ابتدائی زمانہ میں ان لوگوں نے کئے تھے، بہت تذکرہ فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ میں حضرتؒ کی اس سنت پر کبھی کبھی عمل کر لیا کرتا تھا، لیکن حضرتؒ کو یہ بات برداشت نہ تھی، کہ میں کسی کے دروازہ پر جا کر اس طرح آواز لگاؤں۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرتؒ کی کچھ طبیعت خراب تھی، گھر تشریف لے گئے تھے کہ بے وقت مہمان آگئے، میں نے سوچا کہ حضرتؒ کو زحمت ہوگی، خود ہی کچھ انتظام کر لیا جائے، وہی سینی اور کٹورے لے کر چل دیا، کسی ذریعہ سے مہمانوں کا حضرتؒ کو علم ہو گیا، فوراً چلے آئے، ادھر سے میں مدرسہ سے نکل چکا تھا، راستہ میں ملاقات ہوگئی، حضرتؒ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے اور فرمایا: ”مولانا سب کام آپ سے کرا لیتا ہوں، یہ کام آپ سے نہیں کراؤں گا“، پھر بڑے درد سے فرمایا ”یہ تو میرے نصیب ہی میں لکھا ہے“۔ (مولانا محمد زکریا سنہلی، پیغام محمود ۹۱)

## دوسرے کی دل شکنی کا خیال

ایک مرتبہ حضرتؒ کو کان پور رکتے ہوئے لکھنؤ جانا تھا، بطور خادم احقر بھی ساتھ تھا، نماز فجر سے قبل پسنجر ٹرین سے سفر شروع ہوا، قریب گیارہ بجے کان پور پہنچے، تب تک ناشتہ چائے کی نوبت ہی نہیں آئی، لوگ آتے گئے ملاقات کا سلسلہ چلتا رہا، کسی نے خواہش کی کہ حضرت ہمارے گھر چلیں ناشتہ کر لیں، حضرت انکار فرماتے، کسی نے کہا حضرت ناشتہ ہم یہیں لے آئیں، حضرت انکار فرماتے، میں بھوک سے بے تاب ہو رہا ہوں، کچھ کہنے کی ہمت بھی نہیں ہوتی، کان پور اسٹیشن

سے قریب مسجد شترخانہ ہے، وہاں حضرت پہنچ گئے، لوگوں کا جھوم و اصرار بڑھتا رہا، حضرت نے لوگوں سے کہا کہ مجھے کچھ آرام کرنا ہے، آپ لوگ چلے جائیں، دو گھنٹہ بعد آئیں، لوگ چلے گئے، اوپر امام صاحب کے حجرے میں گئے، اس وقت امام صاحب نہیں تھے، صرف مؤذن صاحب مسجد میں تھے، پانچ دس منٹ حضرت لیٹ گئے، پھر اٹھے، مؤذن صاحب سے کہا: آپ اپنا ناشتہ دان دے دیں، جیب سے پانچ روپے نکالے اور مجھ سے کہا لو یہ ناشتہ دان، یہ بھی راستہ ہے اس سے باہر چلے جانا، تندوری روٹی، پاؤ کلوٹا ٹرا اور دو پیاز کی ڈلی لے لینا، قریب ہی دوکانیں تھی، تھوڑی ہی دیر میں لے کر حاضر ہو گیا، کہا چٹنی بناؤ، بنائی گئی، پھر روٹی کھائی گئی، تب سکون ہوا۔

پھر کچھ دیر کے لئے لیٹ گئے، جب وقت ہوا دروازہ کھولا گیا، لوگ آتے اور خواہش کرتے کہ کھانا ہمارے یہاں کھالیں، حضرت فرماتے کہ ہم کھانے سے فارغ ہو گئے، اب خواہش نہیں ہے۔ اللہ اکبر! سوچتا رہ گیا، یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے، یہاں ایک نہیں سینکڑوں چاہنے والے ہیں، پھر یہ استغناء کا عالم، اس میں ایک پہلو تو اس نالائق کی تربیت کا تھا، دوسرا پہلو یہ کہ کسی چاہنے والے کی دل شکنی نہ ہو، حضرت اس کا بطور خاص ہر معاملہ میں خیال رکھتے تھے، چون کہ یہ سفر کسی کی دعوت پر نہیں تھا، کسی کی دعوت قبول کر لیتے، تو دوسرے کی دل شکنی ہو سکتی تھی، واللہ اعلم۔

(مولانا احمد عبداللہ قاسمی، پیغام محمود ۳۸)

## حوصلہ افزائی

میں حضرت کے کمرے کے سامنے برآمدہ میں شرح وقایہ پڑھایا کرتا تھا کہ اچانک حضرت تیزی کے ساتھ کمرہ سے باہر تشریف لائے، اور سب طلبہ کے سامنے میرے پڑھانے کی تعریف فرمانے لگے، اور فرمایا کہ: میں سوچ رہا تھا کہ اس مشکل جگہ کو آپ کیسے حل کریں گے؟ واللہ کیا تعبیر آپ نے کی ہے، مولانا سے قلم بند کر دیجئے، مولانا میرے کام آئے گا، اور یہ جملہ بار بار دہراتے رہے، میں اب بھی جب کہ یہ باتیں لکھ رہا ہوں آنکھوں میں آنسو ہیں۔ اس مرد خدا کے احسانات کا نہ بدلہ ادا کر سکا ہوں اور نہ کر سکوں گا۔ (مولانا محمد زکریا سنہلی، پیغام محمود ۸۲)

## اصلاح بین الناس کی فکر

اللہ کے بندوں میں باہمی محبت والفت اور اچھے تعلقات کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے، اور اس کے بالمقابل آپس کی لڑائی اور باہمی نزاع کو شریعت میں بہت ناپسند سمجھا گیا ہے۔ حضرت گو اصلاح بین الناس کی بڑی فکر رہتی تھی، خصوصاً وہ لوگ جو دین دار کہے جاتے ہیں، یا کسی دینی جماعت یا ادارہ سے وابستہ ہیں، جن کا اختلاف نہ صرف دو شخصیتوں بلکہ گروہوں کا ہوتا ہے، بلکہ اس کے نتائج بڑے دور رس اور بڑے مضر ہو سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے حضرت بڑی کوششیں فرماتے اور جو کچھ بن پڑتا، اس سے گریز نہ کرتے۔

ایک مدرسہ کے دو استاذوں میں کچھ اختلاف ہو گیا اور بات کچھ حد سے متجاوز ہو گئی، حضرت نے ان دونوں کے درمیان صلح کرنی چاہی، ان میں سے ایک تو راضی ہو گئے، لیکن دوسرے جن پر کچھ زیادتی ہو گئی تھی، کسی طرح راضی ہونے اور دوسرے کے معافی مانگنے پر بھی معاف کرنے کے لئے تیار نہ تھے، حضرت نے ہر چند سمجھانے کی کوشش کی، میں اور ایک صاحب اور وہاں موجود تھے، جب وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے، تو حضرت نے اپنی ٹوپی اتاری اور ان کے قدموں پر ڈال دی، ہم لوگوں پر تو جیسے بجلی گر گئی، اور مجلس میں ایک سکتہ سا سب کو ہو گیا، لیکن حضرت کے اس عمل نے اپنا کام کر دیا اور آخر ان کا دل بھی نرم پڑ گیا، اور انہوں نے بھی حضرت کے ارشاد کے مطابق مصالحت کر لی۔

اسی طرح کا واقعہ لکھنؤ کے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح و صفائی کرنے کے سلسلہ میں بھی پیش آیا اور جب کچھ پر جوش و جوانوں کو مصالحت کے لئے حضرت کسی طرح تیار نہ کر سکے تو آخر میں روتے ہوئے اپنی ٹوپی اتار کر ان کے قدموں پر ڈال دی، اور نتیجہ یہاں بھی اچھا ہی نکلا، اور الحمد للہ ایک خطرناک قسم کا خون خرابہ ٹل گیا۔ اس قسم کے واقعات حضرت کی زندگی میں بار بار پیش آئے ہیں، اور ان کی کوششوں نے کتنے ہی مسلمان خاندانوں اور دینی اداروں کو ہلاکت و بربادی سے بچالیا، میری نگاہوں نے ”سع سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے“ کا

مصدق حضرت سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ (مولانا محمد زکریا سنہلی، پیغام محمود ۹۲)



## ہدیہ سے بے نیازی

اگر کوئی صاحب حضرت والا کو تحفہ ہدیہ پیش کرتے، تو فرماتے کہ مجھے ضرورت نہیں ہے، کسی ضرورت مند کو دے دو، قبول نہیں فرماتے۔ لیکن اگر کسی کا ہدیہ لینے میں اس کی اصلاح نظر آتی تو قبول فرمالیتے، اور اسی سفر میں وہ تحفہ کسی دوسرے کو دے دیتے تھے، بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ اس خاکسار نے بار بار دیکھا ہے کہ کافی موٹی موٹی رقم کے ہدیے پیش کئے جاتے تھے مگر نہایت بے نیازی سے مسترد فرماتے تھے۔ یہ خاکسار بھی بار بار بہت سے احباب کے ہدایا قبول کرنے کے لئے سفارش کر دیتا تھا، مگر قبول نہیں کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں لے کر کروں گا کیا؟ کسی اور کو دے دو۔ (مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مدرسہ شاہی مراد آباد، ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۷ء)

## سفر خرچ

حضرت والا صرف واجبی کرایہ لیتے تھے، اس سے زائد نذرانہ نہیں لیتے تھے، کار سے سفر ہوتا تو صرف اس میں تیل ڈلنے کی اجازت ہوتی تھی، مگر افسوس یہ ہے کہ بعض لمبے سفر میں لوگ تیل بھی نہیں ڈالتے تھے، حضرت والا کی زندگی نہایت مسکنت اور غربت کی تھی، ایسی حالت میں اپنی جیب سے تیل ڈالنا ہوتا اور اپنے پیسے سے کرایہ اور ٹکٹ فراہم کرنا ہوتا تھا، ایک دفعہ خاکسار سے فرمایا کہ: ”مولوی شبیر! لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں بلا ٹکٹ سفر کرتا ہوں“۔ (مولانا مفتی شبیر احمد صاحب، پیغام محمود ۱۴۱۱ھ)

## وقت کی قیمت کا احساس

دنیا میں ہر چیز کا بدل مل سکتا ہے لیکن وقت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر وہ ضائع ہو جائے تو اس کی تلافی ناممکن ہے، اور ہم لوگوں میں سب سے زیادہ ناقدری کا شکار ہمارے اوقات ہی ہیں۔ مولانا کے نزدیک اپنے وقت کی بڑی قدر و قیمت تھی، وہ جن کاموں میں اپنے اوقات کو صرف کرتے تھے، ان کو دین سمجھ کر ہی اپنا وقت لگاتے تھے۔

مدرسہ میں بڑی بڑی اور مشکل کتابوں کے پڑھانے کے ساتھ ساتھ تعمیرات کا انتظام بلکہ

عملاً اس کے کاموں میں شرکت، مدرسہ کے مطبخ کی فکر اور اس کے لئے بھی وقت خرچ کرنا، مہمانوں کی میزبانی، بلکہ ان کے لئے ہر طرح کے اکرام و راحت رسانی کی فکر اور روزانہ ہزاروں نہ سہی سینکڑوں کے اوسط سے تو یقیناً تعویذوں کا لکھنا اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تھا، اپنے معمولات سفر و حضر میں نہ چھوڑتے تھے، بلکہ سفر میں تو تلاوت کا زیادہ ہی اہتمام فرماتے تھے۔

میں ایک بار بمبئی کے سفر میں ساتھ تھا، لکھنؤ سے یہ سفر ہوا تھا، کان پور میں کچھ حضرات ملنے کے لئے آئے، پھر جھانسی میں بھی کچھ لوگوں نے ملاقات کی، ضرورت مندوں کو بھی حضرت کا پروگرام معلوم رہتا تھا، جھانسی سے رات کے دو بجے کے قریب گاڑی چلی تھی، مجھے دوبارہ نیند آگئی، لیکن حضرت تہجد میں مشغول ہو گئے، ۳ بجے آنکھ کھلی تو دیکھا کہ نماز سے فراغت کے بعد دعا و مناجات میں مشغول ہیں، بمبئی کا یہ سفر بمبئی کے بعد بھٹکل (کرناٹک) تک تھا، بھٹکل کے قریب انتہائی حسین و جمیل قدرتی مناظر ہیں، سفر کے دوران ان کو دیکھنے لگا اور ایک دو بار حضرت کو بھی متوجہ کیا، حضرت ایک لمحہ کے لئے توجہ فرماتے اور پھر اپنے کام میں لگ جاتے، میں نے ایک بار عرض کیا کہ حضرت دیکھئے تو کتنا حسین منظر ہے! حضرت نے قدرے بے زاری کے ساتھ فرمایا کہ ”ان کا کیا دیکھنا“ اور اپنے کام یعنی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ (مولانا محمد زکریا سنہلی، پیغام محمود ۹۹)

## ترک مالا یعنی

ایک مرتبہ بستی تشریف لائے میں حاضر خدمت ہوا، بستی سے کچھ دور ایک مدرسہ میں جانا تھا، ہم لوگ بھی ساتھ ہو لئے، مغرب کے بعد تھوڑی دیر ہمارے ساتھ چائے پانی کرتے رہے، اس کے بعد مجلسی گپ شپ کی جگہ سے وہ اٹھے اور سامنے کے دوسرے برآمدہ میں جا کر ایک مصلیٰ پر بیٹھ گئے، اور تسبیح پڑھنے لگے، تب سمجھ میں آیا کہ ”فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا“ کا کیا مطلب ہے، اور ذکر الہی کا کیا درجہ ہے، اور اس کے لئے ترک مالا یعنی کی کتنی ضرورت ہے؟۔ (مولانا افضل الحق قاسمی، پیغام محمود ۹۹)

## ایشار کا عملی نمونہ

میرے حافظہ میں نہ جانے کتنے ہی واقعات پڑے ہیں، ایک واقعہ اور لکھتا ہوں، حضرتؑ کی بڑی صاحب زادی کی شادی کو کچھ ہی دن گزرے تھے ان کی سسرال کے کچھ مہمان آئے ہوئے تھے، غالباً ان کو سسرال لے جانا تھا، ان حضرات کا قیام دو تین دن ہتھورا میں رہا، ان لوگوں کی کئی کئی رشتہ داریاں اس گاؤں میں تھی۔ ایک دن ان لوگوں کا رات کا کھانا مولانا کے ایک قریبی عزیز کے یہاں تھا، عصر کے بعد اچھی خاصی بارش ہو گئی اور گاؤں کے راستے خراب ہو گئے، جن صاحب کے یہاں دعوت تھی انہوں نے حضرتؑ کے گھر کھانا بھجوادیا اور کہلادیا کہ مہمان ہمارے یہاں تشریف نہ لائیں، اس میں زحمت ہوگی۔ اللہ کا کرنا مغرب کے کچھ دیر بعد کان پور کے کئی مہمان اچانک مدرسہ میں پہنچے، حضرت کو ان کے کھانے کی فکر ہوئی، گھر جا کر کان پور کے ان مہمانوں کا ذکر کیا، اور معلوم کیا کہ کھانے کو کچھ ہے؟ اہل خانہ نے پوری بات بتلا دی، اور یہ بھی کہ ہم لوگوں کی دعوت بھی چوں کہ وہاں تھی، اس لئے ہمارے لئے بھی کھانا وہیں سے آیا ہے، گھر میں کچھ نہیں پکا ہے۔ حضرت نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ یہ کھانا مدرسہ بھیج دو اور تم لوگ کچھ دلیہ یا چاول وغیرہ پکالو، وہاں سے جو بیچ جائے گا آجائے گا، اور یہ ہی ہوا، گھر سے وہ کھانا آ گیا، کان پور کے مہمانوں نے کھایا اور جو بچا وہ اپنے مہمانوں کو کھلایا۔ اپنے سمدھیانے کے مہمانوں کے مقابلہ میں مدرسہ کے مہمانوں کو ترجیح دینا بڑا مشکل کام ہے۔ (مولانا محمد زکریا سنہلی، پیغام محمود ۹۵)

## لا وارثوں کی کفالت

ہمارے زمانہ میں ایک لا وارث باندہ کے تھے، حضرت ان کو مدرسہ میں لے آئے وہ بیمار رہتے تھے، اکثر لیٹے رہتے، حضرت سفر سے آ کر فوراً ان کی خیریت معلوم کرتے اور ان کے لئے کچھ کھانے کی چیز لایا کرتے۔ ایک بار وہ بہت زیادہ بیمار ہو گئے، کھیاں ہر وقت بیٹھی رہتی تھیں، کئی روز کے بعد حضرت سفر سے تشریف لائے، یہ حالت دیکھی، پہلے سارے اسباق پڑھائے، پھر ہماری جماعت کو لے کر ان کے تخت کو اٹھوایا، ہم لوگوں سے پانی منگوایا اور حضرت نے خود ان کو اچھی

طرح نہلایا، کپڑے صاف کرائے، تخت صاف کیا، اور بعد میں ہم لوگوں نے حضرت کے ساتھ جا کر تالاب پر غسل کیا۔ چند روز کے بعد ان صاحب کا انتقال ہو گیا تھا۔ (بروایت: مولانا عبدالجلیل صاحب مدرسہ شاہی، ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۷ء)

## یہ تو خیانت ہوگی

ایک دفعہ حضرتؒ کی طبیعت ناساز ہوگئی، کئی دن ہو گئے افاقہ نہیں ہو رہا تھا، مہمانوں کی آمد و رفت کی وجہ سے قطعاً آرام کرنے کو نہیں ملتا تھا۔ ہم لوگوں نے درخواست کی کہ حضرت ایک دو دن گھر آرام کر لیں، تو جلدی افاقہ ہو جائے گا، پہلے تو انکار کرتے رہے، بہت اصرار کے بعد گھر چلنے کے لئے تیار ہو گئے، بعد نماز عشاء چند طلباء کے سہارے گھر تشریف لے گئے، خود سے چلنا بھی مشکل تھا، پھر ہم سب سو گئے، صبح ۳ بجے میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ حضرت کے کمرہ کی جتی جل رہی ہے، قدیم گیٹ کے اوپر والے کمرے میں میرا قیام تھا، وہاں سے فوراً نیچے آیا، دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت بیٹھے ہوئے ہیں، نہ جانے کب آگئے کیسے آگئے؟ ہاتھ میں شرح جامی ہے، سامنے تپائی پر کئی شروحات رکھی ہیں، مطالعہ میں مصروف، میں نے کہا حضرت آپ کب آئے؟ کیسے آئے؟ طبیعت تو رات میں کافی خراب تھی، ایک آدھ دن گھر پر آرام ہی کر لیتے۔ تو حضرت فرمانے لگے کہ صبح سبق پڑھانا ہے، کیا بغیر مطالعہ کے سبق پڑھا دوں؟ یہ تو خیانت ہوگی، یہ تو خیانت ہوگی۔ (مولانا احمد عبداللہ قاسمی، پیغام محمود ۳۹)

## آخرت میں جواب دہی کا خوف

پھر دوسرے سال بھی ایک مرتبہ طبیعت کافی خراب ہوئی، تھوڑی تھوڑی دیر سے بے ہوشی کی سی کیفیت ہو جاتی تھی۔ ایسی حالت میں بھی اصرار ہے کہ کتابیں لاؤ! سبق پڑھاؤں گا، ہم طلباء نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت ویسے تو آپ کبھی چھٹی دیتے نہیں، حتیٰ کہ جمعہ کے دن بھی آپ اپنے اسباق پڑھاتے ہیں۔ آج ہم طلبہ کی خواہش ہے کہ اسباق نہ پڑھائیں، کہنے لگے کہ نہیں، سبق پڑھاؤں گا، چند اساتذہ کرام سے کہلوا یا کہ چھٹی کرالیں، وہ حضرات گئے، طلباء کی خواہش ظاہر کی، ناکام نامراد واپس آئے، چار و ناچار کتابیں لے کر حضرتؒ کی خدمت میں پہنچ گئے،

حضرت لیٹے تھے، جب طلباء بیٹھ گئے زار و قطار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے جیسے ایک بچہ روتا ہے، اور کہنے لگے کہ بھائی میں نے ایسے لوگوں بھی دیکھا ہے کہ پڑھتے پڑھتے، پڑھتے پڑھتے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی، میں کیسے کسی کی ریس کر سکتا ہوں؟ آپ لوگ اپنا گھربار چھوڑ کر یہاں علم حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں، میرے پاس امانت ہیں، اگر اس وقت میرا سفر ہو جائے، (موت آجائے) تو امانت میں خیانت کر کے خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ کافی دیر تک روتے رہے، پھر کہنے لگے اللہ مجھ سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ آپ نے لوگوں کے لئے کیا اور کیسے کھانے کا نظم کیا ہے اور کیسی رہائش مہیا کی ہے؟ ہاں تعلیم و تربیت میں مجھ سے کوتاہی ہوگی، تو ضرور ہی اللہ کے یہاں باز پرس ہوگی۔ اسی حالت میں لیٹے لیٹے چھ سات کتابوں کا سبق پڑھایا، اللہ اکبر کیا استحضار کا عالم کیا عجب شان تھی میرے حضرتؒ کی؟ (مولانا احمد عبداللہ قاسمی، پیغام محمود ۳۹، ۴۰)

## قیامت کے دن تمہارا دامن پکڑوں گا

ایک دفعہ دوران درس فرمانے لگے، دیکھو دنیا میں مرج، ہلدی، دھنیا بیچنے والے تو بہت ہیں، لیکن دین کا کام کرنے والے بہت کم ہیں، خبردار! یہاں سے جانے کے بعد دین کی خدمت میں لگے رہنا، مرج، ہلدی، دھنیا نہ بیچنے میں لگنا۔ اگر تم لوگ بھی مرج، ہلدی، دھنیا بیچنے میں مشغول ہو گئے تو یاد رکھنا، کل قیامت کے دن تمہارا دامن پکڑوں گا۔

حضرتؒ کی توجہ اور فکر کا نیچہ یہی ہے کہ جامعہ کے اکثر فارغین اور ہماری جماعت کے سب طلباء جہاں تک مجھے علم ہے کسی نہ کسی درجہ میں دین کے کام سے جڑے ہوئے ہیں۔ ”ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے اور مرتے دم تک اخلاص کے ساتھ دین کے کام لگے رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (مولانا احمد عبداللہ قاسمی، پیغام محمود ۴)

## میں نے آخرت کا بوجھ اوڑھ لیا ہے

میں نے مولاناؒ سے عرض کیا حضرت آپ کے احباب اور خدام آپ کا ہاتھ بٹانا چاہتے ہیں،

مگر آپ اتنا بڑا بوجھ اٹھالیتے ہیں کہ لوگ ہمت ہار کر پیچھے رہ جاتے ہیں، مگر آپ نہیں تھکتے، اور بھاری کام یکے بعد دیگرے برابر کرتے رہتے ہیں۔ تو حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ نے فرمایا: ”بھائی پریشانیاں سب کے ساتھ ہیں، خواہ امیر ہو یا غریب، ان سے کوئی خالی نہیں ہے، میں نے دنیا کا بوجھ اتار کر پھینک دیا ہے اور آخرت کا بوجھ اوڑھ لیا ہے، یہ مجھ سے پوری زندگی جانے کا نہیں۔“ (مولانا محمد حسن باندوی، پیغام محمود ۱۷۸)

## تربیت کا انوکھا انداز

مدارس دینیہ کی روح، نظام تعلیم، نظام تربیت و نصاب کامل ہے، ذمہ داران مدرسہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ تعلیم و تعلم میں تربیت کا بڑا عمل دخل ہے، حضرت قاری صاحبؒ طلباء کی تربیت کے سلسلہ میں ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے، چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، طلباء عزیز کو لغو باتوں اور منکر کاموں سے سختی کے ساتھ شفقت کے انداز میں منع فرماتے رہتے تھے۔ اس کام کی دل چسپی کی وجہ سے سالہا سال سے حضرت کا یہ معمول تھا کہ جب جامعہ میں قیام رہتا، تو عشاء کی نماز کے بعد اجتماعی طور سے طلباء سے نماز کی عملی مشق کراتے۔ مثلاً: تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ کیا ہے، پھر اصلاح احوال کے لئے اخیر میں ”تنبیہ الغافلین“ کتاب پڑھ کر سمجھاتے۔ وقتاً فوقتاً اپنی طالب علمی کے حیرت انگیز واقعات اور اکابر کے مجاہدانہ کردار کو بیان فرماتے ہوئے طلباء کو عمل کے لئے ابھارتے تھے۔ کبھی کبھی ارشاد فرماتے کہ بھائی جن کا وضو ہو، وہ چار رکعت تہجد پڑھ کر کمرہ جائیں، میرے بھائی ابھی سے تہجد کی عادت ڈالو، پھر اخیر شب میں اٹھنا آسان ہو جائے گا۔ تہجد کی لذت و قدر محسوس ہوگی، یہی وہ گراں قدر انمول نصیحتیں تھیں، جن کو حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں طلباء اس غیر آباد وادی میں اپنا قیام فخر محسوس کرتے تھے۔

نہ دولت سے مطلب، نہ زر ڈھونڈھتا ہوں

میں استاذ کی وہ نظر ڈھونڈھتا ہوں

## طلباء کے لئے گراں قدر نصیحت

دینی مدارس میں علم دین حاصل کرنے والے طلباء کا مقام و مرتبہ قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: تم مہمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو، لہذا اس نسبت کا ہر وقت خیال رکھو، ہر چیز، ہر کام میں سنت کو مقدم رکھو، تاکہ فرائض میں پختگی پیدا ہو۔

میرے بھائی کبھی مدرسہ کے نظام میں مداخلت نہ کرنا، جو طلباء مدارس کے نظام میں دخل اندازی کرتے ہیں اور ذمہ داران مدارس کو پریشان کرتے ہیں، آئے دن کھانے اور سونے پر ہنگامہ کرتے ہیں، خدا کی قسم وہ کبھی دین کی خدمت میں نہیں لگتے، بلکہ ان کی عمر یوں ہی ضائع ہو جاتی ہے۔ مدارس کے ذمہ داران کی قدر کرو کہ انہوں نے تم کو معاش سے یکسو کر دیا ہے، اب ایسی شکل میں نہ پڑھنا میرے بھائی بڑی محرومی کی بات ہے۔

فرماتے: مگر افسوس آج کل طلباء کھانے پینے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں، میرے بھائی: وقت کی قدر کرو، یہ لحاظ پھر زندگی میں نہیں آئیں گے۔

جو دانش کو خورشید تاباں بنا دے  
میں استاذ کی وہ نظر ڈھونڈھتا ہوں

(مولانا محمد عرفان بہرائچی، پیغام محمود ۳۳۳)

## امور عشرہ برائے طلباء

۷۔ ۱۴۱۶ھ کی تاریخ تھی، رات کے دو بج رہے تھے، موسم سرد، راستہ نشیب و فراز، ماحول تنگ و تاریک، زمین ریگستان، یکا یک لب سڑک ایک مدرسہ کی عمارت نظر آئی، مدرسہ کے اساتذہ، ملازمین، طلباء سڑک پر کھڑے لال ٹین کی روشنی میں قطب وقت جنید زماں حضرت قاری صاحب کی آمد کے منتظر تھے۔ سلام و کلام کے بعد مدرسہ کی مسجد میں تشریف لے گئے، مختصر مگر اہم جامع ترین امور عشرہ برائے طلباء بیان فرمائے۔

خدا کی حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا: میرے بھائیوں، دوستوں، بزرگو! علیم و حکیم کی ہر بات ہر کام مبنی بر حکمت ہوتا ہے، اللہ پاک کا شکر ادا کرو کہ ہم کو اس دینی مدرسہ کے لئے خواہ تحصیل علم یا برائے تعلیم قبول فرمایا۔

(۱) یہ دینی مدارس اسلامی روحانی شفا خانے ہیں، جس طرح مریض کے لئے حکیم ڈاکٹر کی ہر بات ازراہ خیر خواہی ہوتی ہے، اسی طرح میرے عزیز طلباء تمہارے اساتذہ تمہارے لئے حکیم و ڈاکٹر سے زیادہ بھی خواہ ہیں، ان کی ہر بات پر عمل کرو۔

(۲) مواقع کو غنیمت جانو وقت کی بے حد قدر کرو، اس وقت جو کچھ حاصل کر لو گے، وہی کام آئے گا۔

(۳) اساتذہ کرام کا احترام کرو، ان کو اپنے لئے شفیق سمجھو، ہر تنبیہ پر عمل کرو۔  
 (۴) کثرت مطالعہ کے عادی بنو، غیر متعلق کتب، اخبار بینی، غیر ضروری چیزوں سے اپنے کو الگ رکھو، خارجی اوقات میں اپنے اکابر کے حالات کا مطالعہ کرو، اس سے عمل کا جذبہ پیدا ہوگا۔  
 (۵) تحصیل علم کا مقصد نام نمود شہرت ہرگز ہرگز نہ ہو، بلکہ رضائے الہی کے طلب گار و خواست گار بنو۔

(۶) علم بغیر عمل کے بے کار ہے، اور علم کو محفوظ کرنے کا آسان نسخہ عمل ہے، عمل سے علم میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔

(۷) عوام و خواص کی خدمت کا جذبہ پیدا کرو، اس سے دنیا و آخرت میں ترقی ملے گی۔  
 (۸) نظام مدرسہ میں ہرگز مداخلت نہ کرو، یہ بڑی محرومی کی بات ہے۔  
 (۹) تلاوت قرآن مجید، نماز باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کرو۔  
 (۱۰) اساتذہ کرام طلباء عزیز کو ان کے والدین کی امانت سمجھیں، حتی الامکان مار پیٹ سے احتیاط کریں، محبت و شفقت سے ان کی اصلاح کریں، ان کے پلے ضرور کچھ باندھیں۔



## علماء کی ذمہ داری

۱۳۱۶ھ میں حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں رونق افروز ہوئے، اور حمیدی ہال میں علماء اور ائمہ کے خصوصی اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ شیطان ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ انسان کا رشتہ دین اور اہل دین سے کاٹ دے، کیوں کہ جب علماء سے تعلق ہی نہ رہے گا تو دین سے بھی ربط برقرار نہیں رہ سکتے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ ایسے ماحول میں علماء کو حکمت عملی سے کام لینا چاہئے عوام اگر کٹنا بھی چاہیں تو انہیں جوڑنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ مدہانت تو کسی حال میں روا نہیں، غلط کاموں میں ہرگز عوام کا ساتھ نہ دیا جائے، لیکن حسن اخلاق کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہنا بھی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی جگہ تقریب نکاح میں منکرات پائے جائیں تو تقریب میں تو شریک نہ ہوں لیکن اگلے دن اس کے گھر ملنے جائیں اور یہ کہیں کہ کیا کریں بھائی صاحب دل تو آنے کا بہت چاہتا تھا بلکہ میں قریب تک آ بھی گیا تھا لیکن یہ دیکھا کہ یہاں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہو رہی ہے، اس لئے میں مجبوراً واپس چلا گیا لیکن چوں کہ آپ سے بھی تعلق ہے اس لئے آج مبارک باد دینے آیا ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ اگر علماء یہ رویہ اپنائیں گے تو جس شخص میں ذرا بھی حیا اور خیرت ہوگی آئندہ ان منکرات سے بچنے کی کوشش کرے گا، انشاء اللہ۔ (ماہنامہ ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۵ء)

## لعنت کے اسباب سے بچیں

اسی سفر میں مدرسہ شاہی میں منعقد ایک عمومی جلسہ میں حضرت والا نے عوام کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ: آج گھر گھر لعنت کے اسباب پائے جاتے ہیں۔ تصویریں ہیں،

ٹیلی ویژن ہیں، ناپاکی اور گندگی ہے، لوگ ہمیں اپنے اپنے گھروں پر دعا کے لئے بلاتے ہیں اور ہم ان کے لئے سچے دل سے دعا بھی کرتے ہیں لیکن ہماری دعائیں ان کے حق میں قبول نہیں ہوتیں، اس لئے کہ فرشتے دور سے کھڑے کھڑے ان پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں، ایسے میں اگر کوئی غوث اور قطب وقت بھی دعا کرے تو کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ اس لئے عوام کو محض دعاؤں ہی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے، بلکہ کچھ عمل بھی کر کے دکھلانا چاہئے۔ آپ نے فرمایا علماء کو چندہ دے کر یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم نے ان مدارس کو چندہ دے کر اپنا غلام بنا لیا ہے۔ (ماہنامہ ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۵ء)

## کارکنان تبلیغی جماعت سے خطاب

تبلیغی مرکز (سرائے پختہ مراد آباد) میں عظیم الشان ہفتہ واری تبلیغی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے عوام کو علماء کی قدر کرنے کی تاکید کی، اور تبلیغ سے جڑے ہوئے لوگوں کو نصیحت کی کہ وہ اپنے اعمال اور اپنی زندگی پورے طور پر شریعت کے مطابق بنائیں تاکہ ان کے غلط عمل کی وجہ سے یہ مبارک کام بدنام نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تبلیغ سے زندگی کے ہر شعبہ میں انقلاب آنا چاہئے، مثلاً اگر چلہ میں جانے سے پہلے کوئی آدمی پڑوسی سے جھگڑتا تھا، بیوی کے حقوق ادا نہ کرتا تھا، چلہ میں جا کر اس کی ایسی اصلاح ہو کہ وہ واپس آنے کے بعد سب سے پہلے اپنے پڑوسی سے معافی مانگ لے اس کے پیروں میں گر جائے، بیوی سے معافی مانگ لے اس کو راضی اور خوش کرے، تو لوگ حیرت سے ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ اس شخص میں اچانک یہ تبدیلی کیسے آئی اور جب ان سے کہا جائے گا کہ یہ تبلیغی جماعت میں جانے کا اثر ہے تو لوگ خود بخود تبلیغ میں جانے کی طرف راغب ہوں گے۔ بیویاں اپنے شوہروں کو تبلیغ میں بھیجیں گی۔ باپ اصرار کر کے اپنے نوجوان بیٹوں کو تبلیغ میں بھیجے گا۔ اور تبلیغ میں بھیجنے کا ایک ماحول بن جائے گا، شرط یہ ہے کہ تبلیغی احباب لوگوں کے سامنے ایک ایسا عمدہ ماحول پیش کریں کہ لوگ متاثر ہوں۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کو شیطان بہکا دیتا ہے کہ وہ چلہ لگا کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم سے بڑا کوئی دین دار نہیں، بڑے بڑے علماء کو خاطر میں نہیں لاتے۔ آپ نے فرمایا یہ بڑے خطرہ کی

چیز ہے، کتنا ہی آدمی دین دار ہو جائے اس کو غرور میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، تکبر اللہ کو پسند نہیں ہے۔ دوسری طرف آپ نے علماء سے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ: چند افراد کی غلطیوں کی وجہ سے کسی کام کو غلط قرار دینا حماقت ہے، آپ نے فرمایا کہ: علماء درحقیقت روحانی طبیب ہیں، اور عوام روحانی مریض ہیں، اچھا طبیب وہ ہوتا ہے جو مریض کی بھلائی کا حکم کرے، اور مریض اپنے مرض کی وجہ سے اگر گالی بھی دے پھر بھی اس سے نفرت نہ کرے۔ اسی طرح علماء کو عوام کی اصلاح کی کوشش کرتے رہنا چاہئے، ان کی غلطیوں کو درگزر کرتے ہوئے ان کی دینی اور دنیوی بھلائیوں کی فکر کرنی چاہئے۔ (ماہنامہ ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۵ء)

## تین قیمتی ہدایتیں

جمعہ کے دن ساڑھے بارہ بجے کے قریب آپ شاہی مسجد مراد آباد شریف لائے، جہاں پہلے سے اعلان کے مطابق بہت بڑا مجمع آپ کے انتظار میں موجود تھا۔ آپ نے تقریر کا آغاز ایک مختصر اور جامع حدیث شریف سے کیا جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تین نصیحتیں فرمائی تھیں: (۱) زبان کی حفاظت کی جائے، یعنی اس سے کوئی نازیبا کلمہ نہ نکالا جائے۔ (۲) گھر سے باہر فضول وقت نہ گزارا جائے۔ (۳) اپنی سابقہ غلطیوں پر ندامت کے ساتھ آنسو بہائے جائیں۔ حضرت والا نے ان تینوں موضوعات پر نہایت درد اور سوز کے ساتھ مبسوط خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ: زبان اللہ تعالیٰ کی نہایت عظیم الشان نعمت ہے، زبان سے جھوٹ بولنا، غیبت کرنا اور چغلی کرنا نعمت کی بڑی ناشکری ہے۔ افسوس ہے کہ آپ پورا معاشرہ زبان کی ان غلطیوں میں ملوث ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: زبان کی کاٹی ہوئی کھیتی کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا، ہماری زبان اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں استعمال ہونی چاہئے۔ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب رکنج مراد آبادی فرماتے تھے کہ جب جنت میں حور آئیں گی تو میں کہوں گا کہ ”بی قرآن سننا ہوتو سن ورنہ جا“، اس سے اکابر اولیاء اللہ کا قرآن سے تعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

دوسری نصیحت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ: آدمی کا اپنے گھر میں زیادہ وقت گزارنا بہت سے فتنوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ لیکن آج کا ماحول اس طرح کا ہو گیا ہے کہ اچھے خاصے بڑے بوڑھے آدمی باقاعدہ بن سنور کر شیروانی پہن کر لاٹھی لے کر نکل جاتے ہیں، کچھ دیر یہاں بیٹھ کر باتیں کریں گے، کچھ دیر وہاں جا کر باتیں کریں گے، اور اپنی زندگی کے قیمتی اوقات فضول اور لغو باتوں میں گزار دیتے ہیں، اور یہی نہیں اب تو نوجوان لڑکیوں کو بے پردہ گھر سے باہر نکال کر اسکول اور کالجوں میں بھیجا جاتا ہے۔ اور جب پوچھو تو بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ رکشہ والا وقت پر آتا ہے وقت پر لے جاتا ہے، گویا کہ رکشہ والا کوئی فرشتہ ہے یا ساری دنیا کی لڑکیوں کا محرم ہے کہ اس سے کوئی غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ گھر میں باپ موجود ہوتا ہے، بھائی بیٹھے رہتے ہیں، اور بہنیں نامحرم ڈرائیوروں کے ساتھ ساری دنیا کے چکر لگاتی رہتی ہیں۔ نہ باپ کو اس کا احساس ہے، نہ بھائیوں کو غیرت آتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکیاں بے باک ہو جاتی ہیں، شرم و حیا ان سے جاتی رہتی ہے، آج کل وہی لڑکیاں پسند کی جاتی ہیں جو زیادہ بے باک ہوں۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے میری ہونے والی بہو بہت سلیقہ مند اور اطاعت شعار ہے، میں نے پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلا؟ کہنے لگے میں ایک دن ان کے گھر چلا گیا گھر میں کوئی اور نہیں تھا صرف وہی لڑکی تھی، اس نے میرا بڑا اعزاز کیا کہ پچا آئیے! تشریف رکھئے، چائے پیجئے، خود چائے وغیرہ کا انتظام کیا۔ حالاں کہ ایک زمانہ تھا کہ لڑکیاں شادی سے پہلے کسی سسرالی رشتہ دار کو چہرہ دکھانا بھی گوارا نہیں کرتی تھیں، اور اس ماحول میں بے حیائی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ شادی ہو جانے کے بعد شوہر کا کوئی دوست ملنے آجائے تو اس کی خاطر مدارات یہ لڑکی اپنے ہاتھ سے کرتی ہے، شوہر کو چاہے کبھی اپنے ہاتھ سے چائے نہ پلاتی ہو، اس لئے کہ اس کی خدمت گھر کی ماما میں اور خادما میں کرتی ہیں، لیکن دوستوں کی خدمت کے لئے بیوی سامنے آتی ہے۔

تیسری نصیحت کے متعلق حضرت نے فرمایا کہ: آج ہمیں درحقیقت گناہ کا احساس ہی نہیں، اگر دنیا میں کوئی کیس ہو جائے، بھوک نہیں رہتی، ماں الگ بیٹھی رو رہی ہے، باپ الگ روتا ہے کہ بیٹا ایک کیس میں پھنس گیا، حکومت کے جرم کا اتنا احساس ہے، اور اللہ کی کوئی نافرمانی کر کے اس کا

مجرم بن جائے تو نہ گناہ کرنے والوں کو اس کا احساس ہوتا ہے اور نہ ان کے متعلقین کو اس کا احساس ہے۔ اگر گناہ کا جرم ہونا ہمارے دل میں بیٹھ جاتا ہو تو اس وقت تک چین نہیں آسکتا جب تک کہ اس گناہ کو معاف نہ کرا لیں۔ (ماہنامہ ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۵ء)

## ایک اہم حدیث کی تشریح

جامع مسجد مراد آباد میں عظمت قرآن کے موضوع پر منعقد ہونے والے ایک بڑے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے کہ سات طرح کے آدمی قیامت کے دن عرش کے سائے میں ہوں گے: (۱) امام عادل۔ (۲) وہ شخص جس نے جوانی عبادت خداوندی میں گذاری ہو۔ (۳) وہ شخص جس کو حسین و جمیل باوجاہت عورت بدکاری کے لئے بلائے اور وہ جواب میں یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (۴) جس شخص کا دل مساجد میں اٹکا رہے۔ (۵) ایک دوسرے سے خدا کے واسطے محبت رکھنے والے۔ (۶) خفیہ طریقہ پر صدقہ و خیرات کرنے والا۔ (۷) اپنے گناہوں پر تنہائی میں آنسو بہانے والا۔

حضرت والا نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ہر شخص اپنے ماتحتوں کے لئے امام کا درجہ رکھتا ہے، اور ان کے لئے اپنے ماتحتوں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرنا ضروری ہے، آدمی اپنے گھر والوں کا بھی امام و نگران ہے۔ اس پر نظر رکھنی چاہئے کہ گھر والوں سے کوئی ایسی حرکت نہ صادر ہو جو آخرت میں ان کے لئے نقصان دہ ہو۔ آج افسوس ہے کہ ہم اپنے بچوں کے ساتھ انصاف نہیں کرتے، دوسروں کی دیکھا دیکھی ہم اپنے بچوں کے نام بیو، بلی، بیلو رکھنا شروع کر دیا۔ حالانکہ حدیث میں آتا ہے کہ سب سے افضل نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں، حضرت نے فرمایا کہ اب علماء سے مسائل پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی، کسی کی میت ہو جائے تو ایصال ثواب کے لئے بڑی دعوت کا انتظام ہوتا ہے، بڑے بڑے مالدار کلکٹر منسٹر کاروں میں بیٹھ کر مرنے کی دعوت کھانے آتے ہیں۔ ایک شادی زندگی میں ہوتی ہے اور ایک شادی مرنے کے بعد ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ میت کے لئے ایصال ثواب کیا جا رہا ہے، بھلا ان مال داروں کو کھلانے

سے ثواب مل سکتا ہے، اگر کسی سے پوچھو کہ یہ طریقہ کہاں سے آیا تو کہتے ہیں کہ ہمارے پیر صاحب نے بتایا ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ پیر ہوں یا بڑے پیر ہوں، ان کی آپ خدمت کیجئے، ٹانگیں دبائیے، لیکن شریعت کے معاملہ میں پیر کا فرمان نہیں چلے گا، پیغمبر کا فرمان چلے گا، پیر کا عمل شریعت نہیں، پیغمبر کا عمل شریعت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر آج سنت کا طریقہ رائج ہو جائے تو ان غلط مسئلہ بتلانے والوں کو حلوہ کی صورت بھی دیکھئے کونہ ملے۔

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ آج بیت المال کے نام پر چندے اکٹھے کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ زکوٰۃ و صدقات کا بہترین مصرف ہے، اور جلسہ کر کے اپنی کارگزاری سنائی جاتی ہے، سکریٹری صاحب کی تنخواہ بھی اس میں سے دی جاتی ہے اور مصارف شریعت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا ایسے لوگ کیسے فلاح یاب ہو سکتے ہیں؟۔ (ماہنامہ ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۵ء)

